

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی لغت و محققانہ و کرافانہ مدلل تفسیر

مستوب ناظم

الْفِضَّانِ اِیْمٍ

تفسیر
الشیطان الرجیم

تالیف
الشیخ مفتی محمد سعید صاحب دینی دار اے اسلام

3023

مرکزی مصلح القرآن
ادارہ
جامعہ غوثیہ
رحبر میں ہارکیت گلبرگ
لاہور

تعلیم کی حالت میں ان کو جو چاہے اسے تعلیم دے دے اور اسے علم و دانش کے لئے ایمان اور فزادہ علم و عرفان کی آرزو کا موجب ہو گا یہ فیض
 مسلمان کی زبان کا ہے یعنی اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کی علامت و محقق اور خاندانِ نبویہ
 جس کا سطر ہے تعلیم دے دے اور اسے علم و دانش کے لئے ایمان اور فزادہ علم و عرفان کی آرزو کا موجب ہو گا یہ فیض

3023

مستحب نامہ

الْفَيْضَانُ الْعَظِيمُ

فی تفسیر
 آیات البقرة من القرآن الکریم

تالیف

اشرفی غلام مراد قادری ایم اے سلاک لارکن مرکزی کوٹہ نوسل وینیو فانی سہری عدایان
 پرنسپل جامعہ غوثیہ رضویہ ۰ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور ۱۱ فون: ۱۰۷۲۳

حسب فرمائش

سرپرست اقدس و صفایا علیہ السلام و علامہ حضرت الحاج شہید قریشی حفیہ انجمنیہ (ریٹائرڈ) تارہ جید
 مسد دارالمعلوم جامعہ غوثیہ ۰ مین مارکیٹ گلبرگ ۰ لاہور

مرکزی ادارہ مصباح القرآن (جامعہ غوثیہ)
 مین مارکیٹ گلبرگ ۰ لاہور ۰ پاکستان

86099

~~68599~~

نام کتاب _____ الفیضان العظیم فی تفسیر "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"
تالیف _____ الشاہ مفتی غلام سرور قادری
طباعت _____ اول
سرورق _____ رئیس الکتابۃ منظور احمد انور
مطبع _____ عدنان جہانگیر پرتیز - لاہور
بار _____ اول
سن _____ ۱۴۰۹ھ - ۱۹۸۸ء ماہ ربیع الاول شریف
تعاون _____ حضرت الحاج عبدالرشید قریشی ستارہ خدمت .
سرپرست ادارہ ہذا -

مقام اشاعت _____ دارالعلوم غوثیہ رضویہ مین مارکیٹ گلبرگ لاہور
ناشر _____ مرکزی ادارہ مصباح القرآن لاہور
ملنے کا پتہ _____ مکتبہ مصباح القرآن (جامعہ غوثیہ)
مین مارکیٹ گلبرگ لاہور

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
	حفظ و امان	۱۷	فرمانِ باری - تعمیلِ حکم	۱
	پیریشان کن خواب سے تعوذ	۱۸	تعوذ و استعاذہ حکمت و فلسفہ	۲
	تعوذ - استفادہ کی اہمیت	۱۹	تعوذ کے پانچ ارکان	۳
	جامع التعوذات - ظلم سے پناہ	۲۰	صاحبِ تسمیۃ القرآن کی غلط فہمی	۴
	چار چیزوں سے پناہ	۲۱	اعوذ کے معانی	۵
	جامع المتفرقات	۲۲	رسول اللہ کی پناہ	۶
	اجمع التعوذات	۲۳	لفظِ شیطان کی بحث	۷
	المستعاذمنہ	۲۳	شیطان منصرف یا غیر منصرف	۸
	شیطان و جن	۲۵	المستعاذ بہ	۹
	شیطان کی تخلیق میں حکمت	۲۶	اللہ کے کلمات سے مراد	۱۰
	روشن ایمان - شیطانی وسوسہ	۲۷	مقاماتِ ثلاثہ	۱۱
	انسان کے دو ساتھی	۲۸	المستعیذ - انعامِ الہی	۱۲
	شیطانی قوت	۲۹	غصے میں عقل باقی نہیں رہتی	۱۳
	وجود جنات	۳۰	اللہ کے حوالے - قدرت کا اعتراف	۱۴
	شیطان کے وسوسہ کی کیفیت	۳۱	تعوذ سے مرتبہ شہادت	۱۵
	کیا جنات و شیاطین غیب جانتے ہیں؟	۳۲	شیطان کو دور کرنے والا فرشتہ	۱۶

صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۴۹	دلوں کے وسوسے اور بدگمانی	۳۳	نبیوں اور رسولوں کو علم غیب دیا گیا ہے۔	
۵۰	شیطان و وسوسہ کے چھ درجے	۳۴	کیا جنات کو تابع کیا جاسکتا ہے؟	
۵۱	حکومت اور مالداروں کیلئے ہدایت	۳۵	استعاذہ کے اسباب و انواع	
۵۲	شیطان کے ساتھی	۳۶	عقیدہ کی تعریف اور اس کی قسمیں۔	
۵۳	علماء کا مقام۔	۳۷	عقیدہ کی اہمیت	
۵۴	قرآن و سنت کے مقابلہ میں قیاس آرائی	۳۸	عقائد کی دو قسمیں	
	شیطانی فعل ہے۔	۳۹	عقائد قطعیہ و ظنیہ	
۵۵	سنی سنائی باتوں اور افواہوں کو پھیلانا۔	۴۰	تعوذ کے ۱۹ نکات	
۵۶	بے علم پیروں اور شیطانوں کی کارگزاری۔	۴۱	قرآۃ خلف الامام	
۵۷	شیطانی خواہش	۴۲	حضرت عمار بن یاسر کی شیطان سے کشتی۔	
۵۸	نفسانی اور شیطانی خواہش میں فرق۔	۴۳	ابلیس فرشتوں سے تھا	
۵۹	ترک خواہش نفس کے مراتب	۴۴	کیا آگ مٹی سے افضل ہے؟	
۶۰	سستی کی تعریف	۴۵	شیطان و وسوسہ کیسے ڈالتا ہے؟	
۶۱	شیطان کا سرمہ۔ چٹنی اور نسوار	۴۶	حضرت عیسیٰ کی دُعا۔	
۶۲	شیطان کے پھندے اور جال	۴۷	کیا اللہ تعالیٰ نے شیطان سے براہ راست گفتگو فرمائی؟	
۶۳	روحانی طاقت	۴۸	شیطانی وسوسہ کی طرف توجہ نہ دو	
۶۴	شیطانی کارنامے۔ محبوبانِ خدا کی بے ادبی			

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
۶۵	بے ادبی کی سزا	۸۲	قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم	
۶۶	غوث اعظم کی شیطان سے گفتگو۔ حل مشکل	۸۳	وضو کا شیطان	
۶۷	شیطان کا آدھا لشکر	۸۴	ابلیس کا جھنڈا	
۶۸	شیطان اور شیطان صفت انسان	۸۵	وسوسہ کا علاج	
۶۹	شیطان کی عادت	۸۶	خدائی محافظ اور شیطانی بلائیں	
۷۰	بلعم با عور	۸۷	تین سو ساٹھ محافظ	
۷۱	شیطان کی ہنسی	۸۸	شیطان کی مالوسی	
۷۲	جمائی کا علاج	۸۹	فرقہ و ہابیہ کی تردید	
۷۳	لوہے سے زیادہ سخت	۹۰	قدرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	
۷۴	شیطان کی چھپٹ	۹۱	شیطانی کارناموں والا تعاون کا حق دار نہیں۔	
۷۵	شیطان کو بھگانے والا عمل	۹۲	شیطان کے قدم	
۷۶	شیطان کی وادی	۹۳	اسلام ہی سب کچھ ہے	
۷۷	ابلیس کا سجدہ	۹۴	شیطان تنگدستی کا اندیشہ دلانا ہے۔	
۷۸	کیا شیطان پہلے سے کافر تھا؟	۹۵	جملہ شیطانیات	
۷۹	تعوذ کے فقہی احکام	۹۶	شیطان اور بہتر فرقے	
۸۰	نمازیں تعوذ کا حکم	۹۷	حرف آخر	
۸۱	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعوذ			

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَرَمَانَ بَارِئِ تَعَالٰی

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ (سورۃ بقرہ ۱۰۸)

تو جب تم قرآن پڑھو، تو اللہ کی پناہ مانگو شیطانِ مردود سے۔

تَعْمِیْلِ حُكْمِ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ

(ترجمہ)

میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطانِ مردود سے !

تَعُوْذُ وَاسْتِعَاذَه

واضح ہو کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِیْمِ" کے پڑھنے کے عمل کو "تَعُوْذُ" و استعاذہ کہتے ہیں۔ یہ عمل تلاوتِ قرآن مجید سے پہلے ہو یا کسی اور مقام و محل پر جس کی تفصیل عنقریب آنے والی ہے، نہ صرف مستحب ہے بلکہ ایک مسلمان کیلئے خدا تعالیٰ کی پناہ کے حصول کا ذریعہ اور شیطانِ مردود کے شرور و وسوسوں سے تحفظ کا سبب کارگر بھی ہے۔

تَعُوْذُ كِى حِكْمَتِ وَفَلْسَفِ

تَعُوْذُ كِى حِكْمَتِ وَفَلْسَفِ یہ ہے کہ تَعُوْذُ دراصل، اجازت طلب کرنا اور دروازہ کھٹکھٹانا ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی بادشاہ کے دروازہ پر جاتا ہے تو اس کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوتا، اسی طرح جو شخص قرآن کریم کی تلاوت کا ارادہ کرتا ہے تو وہ محبوبِ حقیقی اور بادشاہوں کے بادشاہ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اس سے شرفِ ہکلامی حاصل

کرنا چاہتا ہے تو اعوذ باللہ پڑھنا اس کے حضور شرف یاریابی حاصل کرنے کی اجازت طلب کرنا ہے علاوہ ازیں اسے اپنی زبان کو پاک کرنے کی بھی ضرورت ہے کیونکہ زبان کبھی فضول و لالیٰ یعنی قسم کی باتوں اور بہتان تراشیوں سے ناپاک ہو جاتی ہے۔ اہل معرفت فرماتے ہیں کہ کلمۃ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم قریب حاصل کرنے والوں کا وسیلہ، خوف والوں کا سہارا، گناہگاروں کی چوکھٹ، تباہ و برباد ہونے والوں کا مرجع اور محبت والوں کے لئے فرصت و انبساط کی جگہ ہے۔ اور یہ سورۃ نخل میں واقع خدا تعالیٰ کے حکم فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم کی تعمیل ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شیطان سے پناہ مانگنا شیطان سے ڈرنا ہے اور یہ غیر اللہ سے ڈرنا ہے جو شانِ عبودیت کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایمانی و دینی دشمن کو دشمن سمجھنا ہی محبتِ الہی کا ثبوت ہے اور غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا دراصل عبودیت کی تکمیل ہے نیز اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ استعاذہ کریں اور اللہ کے حکم کی تعمیل اس کی فرمانبرداری کے سلسلے کی طرف ہی پیش رفت ہے، نیز اس شخص سے خوف کرنا جو اللہ سے خوف نہیں کرتا اظہارِ عاجزی و اقرارِ کمزوری ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے عاجز اور کمزور بندوں کے ساتھ ہے چنانچہ حدیثِ قدسی ہے کہ انا عند المنکسرۃ قلوبی بھمد۔ میں ٹوٹے دل والوں کے پاس ہوں۔ مغرور اور متکبروں کے ساتھ نہیں لہذا التعوذ واستعاذہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی معیت میں دینا ہے چنانچہ بزرگوں کے کلام میں ہے۔ أَخَافُ مِنَ اللَّهِ۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں یعنی اس کے عذاب و غضب سے ڈرتا ہوں اور کہتے ہیں۔ أَخَافُ مِمَّنْ يَخَافُ اللَّهَ، کہ میں اس سے ڈرتا ہوں جو اللہ سے ڈرتا ہے یعنی اس کی بددعا سے اور کہتے ہیں وَأَخَافُ مِمَّنْ لَا يَخَافُ اللہ کہ میں اس سے ڈرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا یعنی اس کی بدکرداریوں سے



چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

آدمی را دشمنِ پنہاں بسے ست
آدمی با عذرِ عاقل کسے ست

(مشنوی مولانا روم، ص ۱۶۰ ص ۳)

یعنی آدمی کے خفیہ (ایمانی) دشمن بہت ہیں (مگر اہل فرقوں والے جو ایک اہل حق کے مقابلہ میں بہتر ہیں) اور ان سے بچنے اور خوف کھانے والا عقل مند آدمی کوئی ہوتا ہے۔

تعوذ کے پانچ اجزائے ترکیبہ یا پانچ ارکان

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ تعوذ و استعاذہ کے پانچ اجزائے ترکیبہ ہیں جنہیں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ المتوفی ۶۰۶ھ نے ارکان استعاذہ کا نام دیا ہے مگر ہم دوسرے آسان الفاظ میں ان کو اجزائے ترکیبہ کا نام بھی دے سکتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ تعوذ اس وقت تک کامل و مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ یہ پانچ چیزیں نہ ہوں۔

- ۱۔ تعوذ یا استعاذہ (پناہ مانگنا یعنی عمل یا فعل)
- ۲۔ مستعید (استعاذہ کرنے والا یا پناہ مانگنے والا یعنی عامل یا فاعل)
- ۳۔ مستعاذ بہ (جس کی پناہ مانگی جائے یا جو پناہ مانگنے والے کی پناہ کا مرجع ہو)
- ۴۔ مستعاذ منہ (جس سے یا جس کے شر سے پناہ مانگی جائے)
- ۵۔ سبب الاستعاذہ (جن کی وجہ سے بندہ شیطان کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہے)

صاحب تسمیۃ القرآن کی غلط فہمی

اس پانچویں رکن کے سمجھنے میں صاحب تسمیۃ القرآن کو غلط فہمی لگی ہے چنانچہ وہ اسے اپنی کتاب "تسمیۃ القرآن" میں لکھتے ہیں :-

”۵۔ اجل الاستعاذۃ۔ اس سے مراد استعاذہ کی حکمت اور غرض و غایت ہے جس کی خاطر خدا کی پناہ طلب کی جاتی ہے یعنی شیطان کا وہ خاص شر جس سے محفوظ و مامون ہونے کے لیے استعاذہ کیا جاتا ہے۔“ (تسمیۃ القرآن ص ۳۷)

جناب صاحب نے اصل میں فخر الدین علیہ الرحمۃ کی تفسیر کبیر کو دیکھ کر اپنے ہنرمناقص کی روشنی میں اسے نقل کر ڈالا اور غلطی کے مرکب ہوئے۔ ایک غلطی یہ کہ پانچویں رکن کا عنوان ”اجل الاستعاذہ“ کر دیا۔ کیونکہ امام رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت میں یہی لفظ موجود ہے۔ ملاحظہ ہو!

”والشئ الذی لاجلہ تحصل الاستعاذۃ۔ وہ شئ جسکی وجہ سے استعاذۃ حاصل ہوتا ہے۔“ (تفسیر کبیر ص ۱۶ ص ۶۲)

اس عبارت میں لفظ ”لاجلہ“ سے انہوں نے شروع کے لام اور آخر کی ہاضمیر کو الگ کر ڈالا اور زیچ میں سے ”اجل“ لے کر اسی کو پانچویں رکن کا عنوان بنا دیا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اور یہ نہ سمجھے کہ اس میں ”اجل“ سبب کے معنی دے رہا ہے اور اس لئے ”لاجلہ“ کی لام کو لامِ اجلیہ یعنی لامِ سببیہ کہتے ہیں مگر موصوف نے اپنی نا سمجھی سے اسکو حکمت کے معنی میں کر ڈالا۔ اسی طرح ”من“ کے ساتھ بھی لفظ ”اجل“ استعمال ہو کر ایسے ”من“ اجلیہ یا من سببیہ بنا ڈالتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے ”مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ جَعَلْنَا عَلٰی بَنِي اِسْرٰئِیْلَ الْخُم (المائدہ ۳۲) یعنی اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا (ترجمہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ)۔ اگر وہ عربی گرامر سے واقفیت رکھتے ہوتے تو وہ اس ”اجل“ کے معنی ”حکمت اور غرض و غایت اور شیطان کے خاص شر کے کبھی نہ کرتے۔ شعور والے شعور سے کام لے کر سوچیں کہ اگر اس پانچویں رکن سے مراد بھی شیطان کا شر لیا جائے تو پھر چوتھے رکن میں اور پانچویں رکن میں فرق کیا ہوگا؟ کیونکہ چوتھے رکن سے مراد بھی شیطان کا شر ہے۔“

قارئین! اصل میں پانچویں رکن کا صاف صاف مطلب "سبب الاستعاذہ" ہے یعنی وہ سبب جس کی بناء پر بندہ خدا تعالیٰ سے استعاذہ کرتا ہے اور اللہ کی پناہ مانگتا ہے بس پانچویں رکن میں اسی کا بیان ہوگا۔

(۱) استعاذہ

أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود۔
مصنف "تسمیۃ القرآن" کی ایک اور غلط فہمی

مصنف "تسمیۃ القرآن" لکھتے ہیں۔ "أَعُوذُ، عَاذَ يَعُوذُ سے متکلم کا صیغہ ہے۔" (تسمیۃ القرآن) جناب صاحب کا "أَعُوذُ" کو "عَاذَ يَعُوذُ" سے متکلم کا صیغہ قرار دینا، متلاشیانِ علم کو مغالطہ میں ڈالنے کے برابر ہے۔ اور یہ نہ صرف فحش غلطی ہے بلکہ عربی گرامر سے جاہلیت کا مظاہرہ ہے۔ اہل علم جانتے ہیں کہ "عَاذَ" فعل ماضی کا صیغہ یعنی (PAST TENS) ہے اس کا متکلم الگ آتا ہے۔ اور "يَعُوذُ" فعل مضارع کا صیغہ (PRESENT TENS) ہے اس کا متکلم الگ آتا ہے۔ فعل ماضی "عَاذَ" کا واحد متکلم "عَذْتُ" اور فعل مضارع "يَعُوذُ" کا "أَعُوذُ" آتا ہے تو "أَعُوذُ" صرف "يَعُوذُ" کا واحد متکلم ہے نہ کہ "عَاذَ" کا بھی۔ جیسا کہ ہم نے عرض کیا "عَاذَ" کا واحد متکلم "عَذْتُ" ہے۔

"أَعُوذُ" کے معانی

"أَعُوذُ"، "عُوذُ" سے ماخوذ ہے اور "عُوذُ" کے دو معنی ہیں، ایک "پناہ مانگنا" اور دوسرے معنی "بلنے" کے ہیں۔ چنانچہ مہاورۃ عرب میں کہا جاتا ہے کہ "أَطْيَبُ اللَّحْمِ عُوذُهُ" یعنی بہترین گوشت ہڈی کے ساتھ لگا ہوا یا بلا ہوا گوشت ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے "أَعُوذُ بِاللَّهِ" کے معنی ہوں گے "میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں، یعنی اس کی رحمت اور اس کے بچاؤ کی پناہ کا طالب ہوں اور دوسرے معنی کے اعتبار سے

”اَعُوذُ بِاللّٰهِ“ کے معنی ہوں گے ”میں اپنے آپ کو، اپنے نفس کو یا اپنی ذات کو، اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ لگاتا ہوں اور ملاتا ہوں شیطان مردود کے شر سے بچنے کو۔“ اس لحاظ سے تقدیر عبارت یوں ہوگی ”التَّصِيقُ نَفْسِيْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهِ“ (کی اَلْقِيْ مِنْ شَرِّ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ) یعنی ”میں اپنے نفس کو اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے ساتھ ملاتا ہوں یا وابستہ کرتا ہوں (تاکہ میں شیطان مردود کے شر سے بچوں)۔“ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۴)

عَوُذٌ کی طرح ”عِيَاذٌ“ اور ”مَعَاذٌ“ دونوں بھی مصدر ہیں۔ ان کا معنی بھی پناہ مانگنا ہے۔ یعنی ”عَوُذٌ“، ”عِيَاذٌ“، ”مَعَاذٌ“ تینوں مصدر ہیں اور ہم معنی ہیں، ان تینوں میں سے تیسرا مصدر یعنی ”مَعَاذٌ“ قرآن میں بھی استعمال ہوا ہے۔ سورہ یوسف میں ہے:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهُ رَجِيْتُ
اَحْسَنَ مَثْوَايَ (سورہ یوسف آیت ۲۲) میرا رب ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔

یہی لفظ ”مَعَاذٌ“ قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی آیا ہے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّتَّخِذَ
اِلَّا مَنًّا وَحَبَدًا مَّتَاعَنَا
عِنْدَهُ (سورہ یوسف آیت ۷۹) اپنا مال پایا۔

اس نے کہا خدا کی پناہ کہ ہم کسی کو لیں
سوائے اس کے جس کے پاس ہم نے

قلعہ:

عربی زبان کا قاعدہ ہے بلکہ یہ قاعدہ دوسری زبانوں میں بھی چلتا ہے کہ لفظ کی شکل و صورت کے بدلنے سے اس کے معنی کا انداز بھی بدل جاتا ہے۔ دیکھیے یہ لفظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف شکلوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور جوں جوں اس کی شکلیں مختلف ہوتی چلی گئیں، توں توں اس کے معنی کا انداز بھی بدلتا چلا گیا ہے۔ جبکہ ان تمام الفاظ کا مصدر یعنی مادہ واصل ”عَوُذٌ“ ہی ہے اس لئے اگرچہ

معنی کا اندازہ بدلتا گیا ہے تاہم ہر جگہ بنیادی معنی "پناہ" باقی رہا ہے۔ اب اس کی مختلف شکلیں جو قرآن میں آئی ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ سورہ مؤمن میں ہے:

إِنِّي عُدْتُ بِرَبِّي وَرَبِّكُمْ
مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ
بِيَوْمِ الْحِسَابِ (سورہ مؤمن آیت ۲۷) یقین نہیں رکھتا۔

اس آیت میں "عُدْتُ" واحد متکلم فعل باصنی ہے جس کے معنی ہیں "میں نے پناہ لی" اور فعل مضارع متکلم "أَعُوذُ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ
مِنَ الْجَاهِلِينَ (بقرہ آیت ۶) مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں سے ہوں۔
اور یہ لفظ "يَعُوذُونَ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ
الْإِنْسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ
الْجُنَّةِ (الحج آیت ۶) اور یہ کہ آدمیوں میں سے کچھ مرد، جنوں کے کچھ مردوں کی پناہ لیتے تھے۔

اور یہ لفظ "أُعِيذُ" کی شکل میں بھی آیا ہے (حضرت مریم کی والدہ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ)

إِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (آل عمران آیت ۲۶)

بے شک میں اس (مریم) کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

اور یہ لفظ "اسْتَعِذُ" کی شکل میں بھی آیا ہے:

وَأَمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ
نَزْعٌ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ (اعراف ۳۳) اور (اے سننے والے) اگر تجھے شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آنے لگے تو اللہ

کی پناہ مانگو۔

دوسری جگہ بھی ایسے ہی آیا ہے :

فَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ
بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
تو جب تم قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ
مانگو شیطان مردود سے۔

(الغزل ۹۸)

یہ "عَوِذٌ" مادہ کی کئی ایک شکلیں تھیں جو قرآن کریم میں استعمال ہوئی ہیں اور شکلوں کے مختلف ہونے سے معنی بھی مختلف ہوتے چلے گئے اور اس کے انداز بھی بدلتے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ

یوں تو مصیبت سے اللہ کی پناہ چاہی جاتی ہے مگر بعض صحابہ نے مصیبت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ بھی لی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے غلام کو مار رہے تھے، غلام نے کہنا شروع کیا "اللہ کی پناہ" انہوں نے ہاتھ نہ روکا، غلام نے کہا "أَعُوذُ بِرَسُولِ اللَّهِ" رسول اللہ کی پناہ، فوراً چھوڑ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا، خدا کی قسم، بے شک اللہ تجھ پر اس سے زیادہ قادر ہے جتنا تو غلام پر، انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۵۲ کتاب الایمان)

علاؤ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ یاد ہائی سن کر حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کے دل پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت چھائی، ہاتھ روک لیا، چونکہ اللہ تعالیٰ کی پناہ یا اس کی دہائی ایک معمول کی بات تھی اس لئے ان کے دل پر اس کا اثر نہ ہوا۔ انسان کا قاعہ ہے کہ جس بات کا محاورہ کم سوجاتا ہے اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ یا آپ کی دہائی بعینہ اللہ تعالیٰ کی دہائی ہے

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت سے پیدا ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دینا شرک نہیں، ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس غلام سے فرماتے تو مشرک ہو گیا یا شرک کا مرتکب ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا میری دہائی دیتا یا میری پناہ مانگتا ہے۔

(اللہ) محققین کا مذہب ہے کہ اسم جلالت یعنی لفظ "اللہ" مشتق نہیں ہے، یہ کسی لفظ سے نہیں بنا جیسے سستی یعنی ذات واجب تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں یوں ہی اس کے نام پاک کی حقیقت بھی ادراک انسانی میں نہیں آسکی علامہ سعد الدین تفسا زانی فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ کی ذات و صفات کی حقیقت کے ادراک کرنے میں انسانی عقل حیرت میں ہے ایسے ہی اس کے نام مبارک کے بارے میں بھی اہل علم کی عقلیں ورطہ حیرت میں پڑی ہوئی ہیں کہ یہ مشتق ہے کسی اور لفظ سے بنا ہے یا نہ؟ اگر بنا ہے تو کس لفظ سے بنا ہے؟ یا یہ کسی سے بھی نہیں بنا؟ آج تک اسی حیرت میں پڑی چلی آ رہی ہے متاخرین میں سے امام فخر الدین راز علیہ الرحمۃ کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں المختار عندنا ان هذا اللفظ اسم علم لله تعالى وانما ليس بمشتق التبتة وهو قول الخليل وسيبويه وقول اكثر الاصوليين والفقهاء۔
(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۶۵۶)

ترجمہ: ہمارے نزدیک پسندیدہ بات یہ ہے کہ لفظ اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی ہے، اور یہ ہرگز مشتق (کسی دوسرے کلمہ سے بنا ہوا) نہیں ہے۔ اور یہی امام خلیل و امام سبویہ کا اور اکثر اصولیوں اور فقہاء کا قول ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کا مذہب بھی یہی ہے کہ یہ نام مبارک غیر مشتق ہے یعنی کسی دوسرے کلمہ سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ یہ اس معبود برحق کا نام ہے جو واجب الوجود ہے (جس کا ہونا ضروری اور نہ ہونا محال ہے) اور جس کی ہر صفت، صفت کمال

ہے، وہ ہر عیب و نقص سے قطعاً و یقیناً پاک ہے وہ اس سے پاک ہے کہ جھوٹ اور ظلم ایسی عیب و نقص کی کوئی بات اس کی صفت بن سکے۔

لفظ "شیطان" کی بحث

لفظ "شیطان" کے معنی میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ یہ سَاطِ يَسِيْطُ شَيْطًا (اجوف یا ئی) سے ماخوذ ہو۔ اس کے معنی جلنے کے ہیں، خواہ ظاہری طور پر جلنا ہو چنانچہ محاورہ عرب میں کہتے ہیں "سَاطَتِ الْقِدْرُ" ہانڈی جل گئی، یا معنوی اور باطنی لحاظ سے غصہ یا حسد کی آگ میں جلنا ہو، چنانچہ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "إِذَا اسْتَشَاطَ السُّلْطَانُ تَسَلَطَ الشَّيْطَانُ" (مسند امام احمد ج ۲ ص ۲۲۶) یعنی جب بادشاہ شدتِ غضب سے جل اٹھے تو اس پر شیطان غالب آگیا۔ اور یہاں غصہ سے جلتا مراد ہے کیونکہ شیطان حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم اور ان کے مسجود ملائکہ ہونے سے شدتِ غضب اور شدتِ حسد سے جل اٹھا، لہذا وہ "شیطان" ٹھہرا۔ یعنی شدتِ غضب و حسد کی آگ میں جلنے والا انسان نہیں شیطان ہے اور اس کے دوسرے معنی ہلاک ہونے کے ہیں، جیسا کہ امام ابو الفضل جمال الدین افریقی مصری لغوی علیہ الرحمۃ متوفی ۷۷۰ھ اس معنی کی تائید حضرت زید بن عاصم رضی اللہ عنہما کی حدیث میں وارد لفظ "سَاطُ" سے لاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

إِنَّهُ قَاتِلٌ بِرَأْيِهِ رَسُولَ اللَّهِ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
صلى الله عليه وسلم حتى ساط جھنڈے کے ساتھ قوم کفار سے لڑے
في رماح القوم. حتی کہ قوم کے نیزوں میں ہلاک ہو گئے۔

یعنی شہید ہو گئے۔ اس حدیث میں "سَاطُ" کے معنی "ہلاک ہونے" کے آئے ہیں اس اعتبار سے شیطان کے معنی بہت ہی ہلاکت میں واقع ہونے والے کے ہوئے

کیونکہ جب اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی، تکبر کیا اور حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی تو نہایت ہی ہلاکت و بربادی میں جا کر یعنی ایسے راستہ پر گامزن ہو گیا، جس کا انجام انتہائی ہلاکت و بربادی ہے، یہاں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی دیدہ و دانستہ مخالفت، تکبر، اور انبیاء علیہم السلام کی شان میں سوء ادبی، ہلاکت خیز اور تباہ کن باتیں ہیں۔ ان سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیے اور اپنے تعلق والوں کو بھی بچانا چاہیے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ "قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا" کہ مسلمانو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ اور شیطان "شَاطِئِشِط" سے مبالغہ کا صیغہ ہے۔ شیطان نہ صرف خود ہلاکت کی واوی میں جا کر ہے بلکہ دوسروں کو بھی اپنے ساتھ گرانے کی جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ "شَيْطَانُ" ہلاکت کے معنی میں خود حدیث شریف میں بھی آیا ہے "أَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ وَفُتُونِهِ وَشَيْطَانِهِ وَشَجْوَانِهِ" (اے اللہ!) میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطان کے شر، اس کی فتنہ انگیزی اور اس کی خواہشات سے۔

شیطان منصرف ہے یا غیر منصرف ہے؟

اور شیطان کا نام اس مادہ سے ماخوذ ہونے کی صورت میں غیر منصرف ہوگا۔ (لسان العرب ج ۷ ص ۳۳۹ تا ۳۴۰) اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ "شیطان" "شَطْن" سے ماخوذ ہو اور "شَطْن" کے معنی مضبوط اور لمبی رسی کے ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے "شیطان" کو اس لئے شیطان کہتے ہیں کہ وہ گمراہی میں سخت اور مضبوط ہے اور اپنا انجام معلوم ہونے کے باوجود، نافرمانی سے باز نہیں آتا اور اپنی گمراہی کے سلسلے کو دراز کئے جا رہا ہے۔ اور اس کے معنی دور ہونے کے بھی ہیں۔ محاورہ عرب میں کہتے ہیں کہ "شَطْنٌ دَارِكٌ" تمہارا گھر دور واقع ہوا، اس لئے ہر اس چیز کو شیطان کہتے ہیں جو راہِ راست سے دور ہو خواہ انسان ہو یا جن ہو چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ وَكَذَلِكَ

جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ أَسْمِئِ السَّانُونَ مِنْ سَعَةِ بَعْضِ
 السَّانُونَ كَوَشَيْطَانٍ أَوْ رُشْمِ نَبِيٍّ (صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) قَرَّارٌ وَيَأْتِي أَوَّلَ السَّانِي شَيْطَانٍ كَأَوَّلِ
 أَوْ جِنِّ كَأَوَّلِ بَعْدِ مِنْ كَرَكِ يَهْتَابُ مَا مَقْصُودٌ هَيْهَاتُ كَبْهَى السَّانِي شَيْطَانٍ، شَيْطَانِ جِنِّ سَعَةٍ
 زِيَادَةٌ كَمَرَاهُ أَوْ كَمَرَاهُ كُنْ وَقَعَ هَوْتَا هَيْهَاتُ. اس لئے بد مذہبوں کی صحبت اور دوستی شیطانی
 وسوسوں سے کہیں بڑھ کر ایمان کے لئے تباہ کن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم نے فرمایا کہ بد مذہبوں کی بیماری پر سی کونہ جاؤ، مر جائیں تو ان کے جنازہ میں نہ جاؤ
 ان سے ابتداءً سلام نہ کرو (مشکوٰۃ) یا وہ حیوان ہو۔ چنانچہ مروی ہے کہ حضرت عمر رضی
 اللہ عنہ کو ایک گھوڑے پر سوار کیا گیا تو وہ بدکنے اور اچھلنے لگا۔ آپ نے اسے مارا تو وہ
 اور بدکنے اور اچھلنے لگا، جوں جوں آپ اسے مارتے وہ اور زیادہ اچھلتا اور بدکتا چلا
 گیا۔ آپ نے فرمایا "تم نے مجھے شیطان پر سوار کر دیا" (تفسیر کبیرہ ۱۶ ص ۱۶۴)

(۲)

الْمُسْتَعَاذِبَةُ

استعاذہ کا دوسرا رکن یا دوسرا جزائے ترکیب ”مُسْتَعَاذِبَةُ“ ہے۔ یعنی وہ ذات یا وہ چیز، شیطان کے شر سے جس کی پناہ لی جائے یا جس کی پناہ مانگی جائے۔

قرآن و حدیث میں ”مستعاذہ“ دو صورتوں میں وارد ہوا ہے۔ ایک ”أَعُوذُ بِاللَّهِ“ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں یعنی اس کی ذات کی، اور دوسرا ”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ“ میں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ چاہتا ہوں اور اس میں اس کے غضب و ناراضگی سے اس کی رضا و عفو کی پناہ بھی شامل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے :-

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ
سَخَطِكَ وَأَعُوذُ بِعَفْوِكَ مِنْ
غَضَبِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ -
”یعنی اے اللہ! میں تیری رضا کی پناہ مانگتا
ہوں تیری ناراضگی سے اور تیرے درگزر
کی پناہ مانگتا ہوں تیرے غضب (عذاب) سے
اور تیری پناہ چاہتا ہوں تجھ سے یعنی تیری رحمت

(مفاتیح الغیب) کی پناہ چاہتا ہوں تیرے قہر سے۔“

مشکوٰۃ میں صحیح مسلم کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کی ”اے اللہ کے رسول! گذشتہ رات بچھو کے ڈنک مارنے سے جو مجھے تکلیف پہنچی میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔ یعنی بہت ہی تکلیف ہوئی۔ آپ نے فرمایا: سنو! اگر شام کو تم نے یوں کہہ لیا ہوتا

”أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ
مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ“
کہ میں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ مانگتا ہوں
اُس کی مخلوق کے شر سے۔“

تو بچھو تمہیں نقصان نہ پہنچاتا۔ یعنی تم اس کے ڈنک سے محفوظ رہتے۔ (مشکوٰۃ ص ۱۳)

اللہ کے کلمات سے مراد

سوال یہ ہے کہ اللہ کے کلمات سے کیا مراد ہے؟ اس کا جواب یہ ہے ”کلمات“ کلمہ کی جمع ہے اور علمائے نحو کے نزدیک کلمہ اس لفظ کو کہتے ہیں جو ایک معنی پر دلالت کرے۔ لیکن اس کا اطلاق ایک سے زیادہ الفاظ پر بھی ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات کلام پر بھی کلمہ کا اطلاق ہوتا ہے جیسے کلمہ طیبہ و کلمہ شہادت، حالانکہ یہ دونوں کلمے ترکیب نحوی کی دو سے کلام ہیں مگر ان پر کلمہ کا اطلاق ہو رہا ہے اور یہاں جن کلمات کی پناہ لی جا رہی ہے ان کلمات سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد مراد ہے :-

انما قولنا لشيء اذا اردنا ان

نقول كن فيكون ط

”جو چیز ہم چاہیں اس سے ہمارا فرمانا یہی

ہوتا ہے کہ ہم کہیں ”ہو جا“ وہ فوراً

ہو جاتی ہے۔“

(سورۃ النحل ۴۰)

اللہ تعالیٰ کے ارشاد گرامی ”کن“ سے ممکنات کے اندر اس کی قدرت کا اس طرح نافذ ہونا اور کائنات میں اس کی مشیت کا یوں جاری و ساری ہونا ہے کہ اس کے آگے نہ کسی طرح کا کوئی مانع ہوتا ہے اور نہ ہی حائل اور اس میں شک نہیں کہ استعاذہ اللہ کے ساتھ اس لئے لائق و مستحسن ہے کہ وہ ایسی قدرت رکھتا ہے جو سب پر غالب اور وہ ایسی مشیت والا ہے جو ہر صورت نافذ ہو کر رہتی ہے۔

نیز اللہ کے کلمات سے مراد علماء ربانین و صلحاء کاملین کی ارواح طیبہ بھی ہو سکتی ہیں اور اس اجمال کی تفصیل اس طرح ہے کہ جسمانیات و مادیات (جسم و مادہ والی چیزوں) کی نشوونما اس طرح سے ہوتی ہے کہ وہ بہ تدریج، وقفہ وقفہ کے ساتھ، تھوڑا تھوڑا کر کے اور آہستہ آہستہ طاقت و قوت پکڑتی ہیں یا دوسرے لفظوں میں انہیں قوت

سے فعل کی طرف آتے بہت مدت صرف ہوتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ ان (مادہ و جسمانیات رکھنے والی چیزوں) کو چھوٹے پن سے بڑے پن تک پہنچنے میں ایک اچھا خاصا عرصہ لگتا ہے۔ لیکن روحانیات (مادہ و جسمانیات و کثافت سے منزہ و پاک چیزوں) کو کوئی دیر نہیں لگتی۔ ان کا نشوونما پانا، قوت سے فعل کی طرف آنا اور چھوٹے پن سے بڑے پن تک پہنچنا کسی تدریج و وقفہ اور آہستگی کے بغیر ہوتا ہے بلکہ فوراً اور ایکدم ہوتا ہے۔ جب یہ بات اس طرح واضح اور مستم ہو گئی تو سمجھ لینا چاہیئے کہ روحانیات کا حدوث و ظہور جو قوت سے فعل کی طرف ایکدم اور فوراً ہوتا ہے اس حرف کے مشابہ ٹھہرا جو ناقابل تقسیم لمحہ میں ہی وجود پذیر ہوتا ہے۔ پس ایسی مشابہت کی وجہ سے اس کی قدرت کے نفاذ کو کلمہ سے موموم کیا گیا۔ اس تقریر کی روشنی میں یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ ارواح میں وہ قوت و طاقت ہے جو اجسام و مادیات میں نہیں ہے۔ اسی لئے عالم ارواح، عالم اجسام پر غالب ہے۔ اسی بناء پر اہل معرفت ارواح کو اس جہان کے امور کا مدبر قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ مفاتیح الغیب یعنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :-

وانماھی المدبرات لا مود هذا
العالم كما قال تعالیٰ "فالمدبرات
أمراً" فقولہ (اعوذ بکلمات
اللہ التامات) استعاذۃ من
الارواح البشریة بالارواح العالیة
المقدسة الطاهرة الطیبة
فی دفع شرور الارواح الخبیثة
الظلمانیة الکدریة فالمراد بکلمات
اللہ التامات تدک الارواح

اور ارواح ہی اس عالم کے امور کی
کار ساز ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا
"پھر قسم ہے ان کی جو کام کی تدبیر و کاری
کریں"۔ پس انسان کا کننا میں پناہ مانگتا
ہوں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی، عام آدمیوں
کی روحوں کی طرف سے، طیب و طاہر،
پاکیزہ اور بلند شان والی روح کے ساتھ
پناہ مانگتا ہے، خبیث، کالی، گندی روحوں
کے شرور کے دفع کرنے میں۔ پس اللہ کے

شروع کے دفع کرنے میں۔ پس اللہ کے کلمات

کاملہ سے مراد وہی پاک بلند شان والی

روحیں ہیں۔

(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۷۷)

امام رازی علیہ الرحمۃ کے اس ارشادِ گرامی کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلماتِ کاملہ، جن کی بندہ پناہ مانگتا ہے سے مراد اہل کمال اور اہل معرفت اور صالحین و مقربین بادگاہِ قدس کی پاکیزہ و بلند شان والی روحیں بھی ہو سکتی ہیں اور وہ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں کہ جیسے کلمہ اپنے معنی پر دلالت کرتا اور اپنے معنی کا منظر ہوتا ہے۔ یوں ہی علمائے ربانین و صلحائے کاملین کی روحیں بھی اللہ تعالیٰ کی شان پر دلالت کرتی ہیں اور اس کی قدرت کا منظر ہوتی ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلمہ فرمایا۔ جب کوئی عقیدت مند و متوسلِ خبیث اور گندی روحوں اور شیاطین کے شر و فساد کے دفع کرنے کے لئے کمالِ عقیدت اور بھرپور یقین کے ساتھ ان پاکیزہ روحوں کو امدادِ الہی اور نصرتِ الہی کا منظر اعتقاد کرتے ہوئے ان کی پناہ مانگتا ہے تو وہ پاکیزہ روحیں کا رسانی کا کرشمہ دکھاتے ہوئے خبیث روحوں اور شیاطین کے شر و فساد کو ان سے دفع کرتی ہیں۔ آگے چل کر امام رازی مزید واضح کر کے لکھتے ہیں :-

ثم الارواح البشرية الخالية
عن العلائق الجسمانية المشاقة
الى الاتصال العلوي بعد
خروجها من ظلمة الاجساد
تنهب الى عالم الملكة
ومنازل القدس والى ان قال
ثم ان هذه الارواح الشريفة
”پھر ارواح بشریہ علائق جسمانیہ سے خالی
عالم بالا سے جا ملنے کی مشتاق جسموں کی
تاریکی سے نکلنے کے بعد فرشتوں کے جہان
اور عالم قدس کی منزلوں کی طرف چلی جاتی
ہیں، پھر یہ بات بعید نہیں کہ ان بزرگ،
بلند شان والی روحوں میں وہ کمالات ہوں
جن کی قوت و بزرگی کی وجہ سے ان

~~68599~~ 86099

العالية لا يبعد ان يكون فيها
ما يكون لقوتها وشرها
ينظرون منها آثار في احوال هذا
العالم فهي (فالمديرات
امرا) الیس انسان قدیری
استاذکافی المنام ویسألہ
عن مشکلة فیبرشده الیہا
دالی ان قال (الیس ان
جالینوس قال کنت مریضاً
فحجزت عن علاج نفسي
قرأت فی المنام واهد
ارشدنی الی کیفیة العلاج -
(مفاتیح الغیب ج ۳۱ ص ۳۱-۳۲)

روحوں سے اس عالم (دنیا) کے حالات میں
کچھ آثار (کرامات) ظاہر ہوں۔ پس روطن
(کلام الہی) فالمدبرات امرا“ (سورہ نازعات)
کی مصداق ہیں۔ کیا یہ بات نہیں کہ انسان کبھی
اپنے استاذ کو خواب میں دیکھتا ہے اور
اس سے کسی مشکل بات کے بارے میں پوچھتا
ہے تو وہ اس کی مشکل کے حل کی طرف ہنمائی
کرتا ہے (جس سے اس کی مشکل حل ہو جاتی
ہے) کیا یہ بات نہیں کہ حکیم جالینوس نے
کہا کہ میں بیمار تھا تو اپنے علاج سے عاجز
آ گیا تو خواب میں ایک شخص کو دیکھا جس نے
صحیح علاج کا طریقہ بتایا (جسے میں نے اختیار
کیا تو مجھے شفاء ہو گئی)۔“

امام رازی علیہ الرحمۃ کی عبارت مندرجہ بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بشری روطن جو
شریعت مطہرہ پر عمل کی برکت کے باعث جسمانی کثافتوں سے پاک ہو جاتی ہیں اور ان
کا عالم بالا سے رابطہ قائم ہوتا ہے اور وہ عالم بالا سے جا ملنے کی مشاق ہوتی ہیں۔
وہ جسمانی تارکیوں سے نکل کر فرشتوں کے جہان اور قدس کی منزلوں میں چلی جاتی ہیں۔
ان میں عظمت و شرافت اور انوار کی جو قوت جلوہ گرہ ہوتی ہے اس کی وجہ سے اس
جہان کے احوال میں ان روحوں سے آثار و کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ پس وہ بہ اذن
الہی عالم کی تدبیر و کار سازی کی خدمات انجام دیتی ہیں۔

مفتی بغداد علامہ ابوالفضل شہاب الدین محمود آلوسی متوفی ۱۲۷۰ھ علیہ الرحمۃ نے

اپنی تفسیر روح المعانی میں آیت کریمہ ” فالمدبرات اموا “ کی تفسیر میں لکھتے ہیں :-
 ” حضرت ابن عباس و مجاہد رضی اللہ عنہم کے نزدیک اس سے مراد فرشتے ہیں (پھر آگے
 چل کر فرماتے ہیں) حضرت امام سمری رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق اس سے بزرگ
 روہیں مراد ہیں جب وہ اپنے بدنوں سے جدا ہوتی ہیں “

فتصیول شرفها وقوتها من
 المدبرات ای ملحقہ بالملکۃ
 الی ان قال اذا تحیر تعرفی لوموا
 فاستعینوا من اصحاب
 القبور ای اصحاب النفوس
 الفاضلة المتوفین ولا شکر
 فی انه یحصل لزاثرهم
 مدد نہ روحانی بہرکتہو
 وکشیرا ماتنحل عقد الامور
 بانامل التوسل الی اللہ تعالیٰ
 بحرمتہم و حبلہ بعضہم
 علی الاحیاء منہم
 الممثلین امرہم تو اقبل
 ان تموموا (الی ان قال)
 ان اللہ تعالیٰ قد یکرم
 من شاء من اولیائہ بعد
 الموت کما یکرمہ قبلہ

” پس وہ اپنی بزرگی اور طاقت سے
 ”مدبرات“ سے ہو جاتی ہیں یعنی کار ساز
 فرشتوں کے ساتھ مل جاتی ہیں (یہاں تک
 کہ یہ حدیث تو نہیں لیکن بڑے بزرگوں کا
 قول ہے کہ جب تم کاموں میں حیران و
 پریشان ہونے لگو تو قبروں والوں سے
 مدد مانگو یعنی بزرگ روہوں والوں سے
 جو وفات پا چکے اور اس میں شک نہیں
 کہ ان بزرگوں کی برکت سے ان کی زیارت
 کرنے والوں کو روحانی مدد حاصل ہوتی
 ہے اور بسا اوقات ان بزرگوں کی برکت
 کے وسیلہ پکڑنے، ان کی حرمت و عزت
 کے طفیل مشکلات حل ہو جاتی ہیں اور بعض
 مفسرین نے اس آیت کو ان میں سے
 ایسے زندہ بزرگوں پر محمول کیا ہے جو
 ”موتوا قبل ان تموتوا“ (مرنے سے
 پہلے مر جاؤ) فرمان کے پیرو ہوئے بیشک

بہا شاء فیبری سب حانہ
 المریض و ینقذ
 الغریق و ینصر علی العدو
 و ینزل الغیث و کیت
 و کیت کرامۃ لہ الخ
 (تفسیر روح المعانی
 ج ۳۰ ص ۲۴، ۲۵)

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ اولیاء کی موت
 کے بعد عزت فرماتا ہے جیسا کہ موت سے
 پہلے (زندگی میں) جس چیز (کرامت) کے
 ساتھ چاہے عزت بخشے تو اللہ تعالیٰ
 اپنے مقبول بندے کی کرامت (وعزت
 کے اظہار) کے لئے (اس کے طفیل اور اس
 کی دعا سے) بیمار کو شفاء دیتا ہے اور
 ڈوبتے کو بچاتا ہے اور دشمنوں کے مقابلہ

میں اہل اسلام کی مدد فرماتا ہے اور بارش نازل کرتا ہے اور ایسے اور ایسے
 (کام کرتا ہے)۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمۃ کی تفسیر سے نہایت روشن طور پر معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے
 مقبول بندے زندگی میں اور وصال کے بعد کار ساز فرشتوں کی طرح لوگوں کی کار سازی
 فرماتے ہیں کہ ان کی جو عزت و کرامت اللہ کے ہاں ہے کی برکت سے اور ان کے انامل
 توسل (توسل کے پوروں) سے لوگوں کی مشکلیں حل ہوتی ہیں۔ انامل کے معنی انگلی کے پوروں
 کے ہیں مطلب یہ ہے کہ بزرگان دین، صالحین کرام اور مقبولان بارگاہ رب العزت کے
 لئے یہ بات کوئی بعید نہیں اور نہ ہی مشکل ہے کہ وہ اپنے صحیح العقیدہ عقیدت مندوں،
 نیاز کیشوں اور وابستگان دامن کی مصیبتیں دور کریں، مشکلات حل فرمائیں اور ان کے
 دشمنوں کو ہلاک کریں۔ ان کی دعاؤں سے اور ان کی برکتوں سے آسمان سے مینہ برستا
 ہے۔ مخلوق خدا کو ان سے نفع پہنچتا اور فیض حاصل ہوتا ہے۔ اس میں اس بات کی
 شرط بھی نہیں کہ وہ حیات ظاہرہ کے ساتھ دنیا میں موجود ہوں بلکہ وہ دنیا سے پردہ
 بھی فرما جائیں تب بھی ان کی مذکورہ برکتیں بدستور اہل ایمان کے لئے جاری و ساری رہتی ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۲۲۵ھ جنہیں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث
دہلوی علیہ الرحمۃ متوفی ۱۲۴۰ھ اپنے زمانہ کا "امام بیہقی" فرمایا کرتے تھے، اپنی کتاب
"تذکرۃ الموتی والقبور" میں لکھتے ہیں :-

”حق تعالیٰ در حق شہداء می فرماید“
بَلْ اَحْيَاہُمْ عِنْدَ رَبِّہُمْ
اقول مراد شاید آں باشد کہ حق تعالیٰ
ارواحِ ثانی را قوتِ اجساد می دید
ہر جا کہ خواهند سیر کنند و این حکم مخصوص
بشہداء نیست انبیاء و صدیقان از شہداء
افضل اند و اولیاء ہم در حکم شہداء اند
کہ جناد بانفس کردہ اند کہ جہادِ اکبر است
”رہنما من الجہاد الا صغر
الی الجہاد اکبر“ اذل کنایت
ست ولہذا اولیاء اللہ گفتہ اند :
اَرْوَا حُنَّا اَجْسَادُنَا اَجْسَادُنَا
اَرْوَا حُنَّا یعنی ارواح ما کار
اجساد۔ کنند و گاہی اجساد از غایت
لطافت برنگ، ارواح می براید و
می گویند کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم
را سایہ نمود ارواح ایشان در زمین و
آسمان و بہشت ہر جا کہ خواہند می روند

”اللہ تعالیٰ شہیدوں کے بارے میں فرماتا
ہے بلکہ وہ زندہ ہیں ان کے رب کے ہاں
انہیں کھلایا جاتا ہے“ میں (قاضی ثناء اللہ)
کہتا ہوں کہ شاید اس سے مراد یہ ہوگا کہ
اللہ تعالیٰ ان کی روحوں کو جسم کی قوت عطا
فرماتا ہے وہ جہاں چاہیں سیر کریں اور
یہ حکم شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں انبیاء
اور صدیقین شہیدوں سے افضل ہیں لہذا
وہ بھی زندہ ہیں) اور اولیاء بھی شہیدوں
کے حکم میں ہیں کہ انہوں نے (شریعت کی
پیری میں) نفس کے ساتھ جہاد کیا ہے
جو جہادِ اکبر (سب سے بڑا جہاد) ہے۔
(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان) ہم
چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف
لوٹ آئے اسی سے کنایہ (اسی کی طرف
اشارہ) ہے اور اسی لئے اولیاء اللہ نے
کہا ہے کہ ”ہماری روحوں ہمارے جسم
ہیں، ہمارے جسم ہماری روحوں ہیں“

دوستان و معتقدان را در دنیا و آخرت مددگاری سے فرماید و دشمنان را ہلاک می نماید و اندوای ایشاں بطریق اویسیہ فیض باطنی می رسد و بسبب ہمیں حیات اجساد آنها را در قبر خاک نمے خورد بلکه کفن ہم می ماند -

یعنی ہماری روحیں جسم کا کام کرتی ہیں اور کبھی جسم انتہائی لطافت سے (نور باطن کے غلبہ کی حالت میں) ادوای کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور (اسی وجہ سے کہ جسم روح کا رنگ اختیار کر لیتا ہے) کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا (کہ ادوای کا سایہ نہیں ہوتا کیونکہ آپ کا جسم مبارک روح مبارک کی طرح لطیف و نورانی تھا) اولیاء کرام کی روحیں زمین، آسمان اور بہشت میں جہاں چاہتی

(تذکرۃ الموتی والقبور ص ۳۶، ۳۷)

ہیں تشریف لے جاتی ہیں اور دوستوں اور عقیدت مندوں کی دنیا اور آخرت میں مدد کرتی ہیں اور (اپنے پیروکار عقیدت مندوں کے) دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیتی ہیں جب وہ ان سے اس امر کی درخواست کریں، اور اویسی طریقہ کے مطابق ان کی روحوں سے باطنی فیض پہنچتا ہے اور اسی حیات کے سبب سے ان کے مبارک جسموں کو قبر میں مٹی نہیں کھاتی بلکہ ان کا کفن تک باقی رہتا ہے -

غرضیکہ جیسا امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ فِي اللَّهِ تَعَالَى" کے کامل کلمات سے اللہ کے کامل بندے بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسا کہ اس کی تفصیلی بحث گزر چکی اور باقی ائمہ تفاسیر بھی "فالمدبرات امرا" سے بندگان کا ملین کو بھی مراد لیتے ہیں اور ان کی پناہ سے ان کی دُعا لینا اور ان سے استمداد و استعانت اور ان سے توسل ہے ظاہری زندگی میں اور ظاہری زندگی کے بعد بہ صورت - یہی حضرت قاضی علیہ الرحمۃ اپنی تفسیر مظہری میں بھی فرماتے ہیں :-

”اور علماء میں سے ایک گروہ اس طرف
 گیا ہے کہ یہ زندگی (جو مرنے کے بعد شہیدوں
 کو حاصل ہے) شہیدوں کے لئے مخصوص
 ہے اور میرے نزدیک حق بات یہ ہے کہ
 یہ زندگی شہیدوں کے ساتھ مخصوص نہیں
 ہے بلکہ انبیاء کی زندگی شہیدوں کی زندگی
 سے زیادہ قوت والی ہے اور خارج میں
 اس کے آثار سخت تر ہیں حتیٰ کہ نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے
 ازواج مطہرات کے ساتھ نکاح جائز نہیں
 شہیدوں کے برعکس اور صدیقین بھی
 درجہ میں شہیدوں سے زیادہ بلند ہیں۔
 اور صالحین یعنی اولیاء اللہ شہیدوں کے
 ساتھ ملائے گئے ہیں جیسا کہ اس پر
 اللہ تعالیٰ کا فرمان ”اور نبیوں میں سے
 صدیقیوں، شہیدوں اور نیکوں میں سے“
 اور یہی وجہ ہے کہ صوفیاء رحمۃ اللہ علیہ
 نے فرمایا ہمارے ارواح ہمارے جسم
 اور ہمارے جسم ہماری ارواح ہیں اور
 اور بہت سے اولیاء کرام سے تو اتر کے
 ساتھ یہ مسلم چلا آ رہا ہے کہ وہ دو ذات

و ذهب جماعة من العلماء الى
 ان هذه الحياة مختصة
 بالشهداء والحق عندى عدم
 اختصاصها بهم بل حيات
 الانبياء اقوى منهم و
 اشد ظهورا آثارها فى الخارج
 حتى لا يجوز النكاح بازواج
 النبى صلى الله عليه وسلم بعد
 وفاته بخلاف الشهيد و
 الصديقون ايضا على درجة
 من الشهداء والصالحون يعنى
 الاولياء ملحقون بهم كما
 يدل عليه الترتيب فى
 قوله تعالى ”من النبىين و
 الصديقين والشهداء والصالحين“
 ولذلك قالت الصوفية العلية
 ارواحنا اجسادنا و اجسادنا
 ارواحنا وقد تواترت
 كثير من الاولياء انهم ينصرون
 اولياء هم و يدعون اعداءهم
 ويهدون الى الله تعالى

من یشاء اللہ تعالیٰ الخ کے بعد بھی جیسا کہ آگے کی عبارات اس کی

تائید کرتی ہیں) اپنے دوستوں (محبت و

عقیدت رکھنے والے صحیح العقیدہ مسلمانوں) کی

مدد کرتے ہیں اور ان کے دشمنوں کو برباد و تباہ کر دیتے ہیں اور جسے خدا تعالیٰ

چاہے اسے ہدایت دیتے یعنی راہِ راست پر لاتے ہیں“

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اس کے بعد اس بات پر بھی روشنی ڈالی ہے

کہ اولیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے اجسام مقدسہ کو مٹی نہیں کھاتی اور وہ امام ابن
منذہ کے حوالہ سے ایک حدیث بھی لائے ہیں کہ جس میں ہے کہ جب کوئی قرآن کا علم رکھنے والا
(صحیح العقیدہ عالم دین) وفات پاتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو ہدایت فرماتا ہے کہ اس کے جسم کو
نہ کھائے۔ تو زمین عرض کرتی ہے کہ اے میرے پروردگار! میں اس کا گوشت کیسے کھا سکتی ہوں
حالانکہ اس کے پیٹ میں تیرا کلام ہے

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ کے کلام سے درج ذیل مسائل صراحت کے

ساتھ معلوم ہو گئے :-

۱۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔

۲۔ ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے بھی برتر اور بلند و بالا ہے۔

۳۔ انبیاء علیہم السلام کے بعد صدیقین کا مقام و مرتبہ ہے اور صدیق، صدق سے

صدیقین | ماخوذ ہے جس کے معنی سچائی کے ہیں۔ صدیق وہ ہوا جس نے اللہ تعالیٰ کے

محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی صدق دل سے تصدیق

کی۔ اس پر ایمان لایا اور اخلاص و صدق کے ساتھ آپ کی تعلیمات و ہدایات پر جیسی کہ اس

تک پہنچیں کسی کے طعن و تشنیع اور خوف و ملامت کا لحاظ کئے بغیر اس پر عمل کیا اور دوسروں

کو بھی اس پر عمل کرنے کی حسب استطاعت تلقین کی اور اپنے ممکنہ وسائل اس کے لئے

اس طرح وقف کر دیئے کہ اپنی ذاتی اور گھریلو ضروریات کے مقابلہ میں دینِ حق کو فروغ دینے پر خرچ کرنے کو ہمیشہ ترجیح و فوقیت دی۔

سید الصدیقین علی الاطلاق سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ان کے بعد خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، سیدنا حسین کریمین کہ جنہوں نے اپنا مال اپنے آپ پر انتہائی قناعت کے ساتھ خرچ کیا لیکن دین کے لئے اسے ہمیشہ پانی کی طرح بہاتے اور بے دریغ خرچ کرتے رہے حتیٰ کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے حالات میں البدایہ والنہایہ میں ہے کہ جب علماء دین آپ سے ملنے جاتے تو آپ انہیں لاکھوں روپیہ ہدیہ و نذر کرتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ انہی علمائے دین کے دم قدم سے دین قائم ہے اور انہوں نے اپنے آپ کو دین کے لئے ہمہ وقت وقف کر رکھا ہے اور یہ جہاں بھی خرچ کریں گے اس میں بلا واسطہ یا بالواسطہ دین ہی کی تقویت ہے۔ یہ لوگ بلاشبہ اپنے اپنے زمانے کے صدیقین تھے اور صدیقین کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ آج بھی ایسے لوگ بجز تعالیٰ موجود ہیں جن کے دم قدم اور عزم و ایثار سے دین کی بہاد قائم ہے، صدیق بھی مرنے کے بعد زندہ ہوتے ہیں اور ان کی زندگی شہیدوں کی زندگی سے اونچے درجے کی ہوتی ہے۔

۴۔ قرآن کریم نے شہیدوں کے لئے جس زندگی کا تذکرہ کیا ہے وہ ان ظاہری شہیدوں سے مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ زندگی صحیح العقیدہ صالحین، دین کے سچے اور مخلص باعمل مسلمانوں کے لئے بھی ہے جنہوں نے اپنی خواہشات و ضروریات کے مقابلہ میں شریعت پر عمل اور دین کی ضرورت و خدمت کو ہمیشہ فوقیت دی۔ اپنے نفس کو شریعت کے تابع رکھا اور اسے شریعت پر عمل کی قوت سے کچل ڈالا۔ یہی اولیاء اللہ ہیں یہ لوگ بھی زندہ جاوید ہو گئے۔ ان کی موت کیا ہے؟ ایک گھر سے دوسرے گھر میں منتقل ہو جانے کا نام ہے۔

۵۔ یہی اہل اللہ اور مقبولانِ بارگاہِ قدس ظاہری زندگی میں اور موت کے بعد اپنے عقیدت مندوں، پیروکاروں کی مدد کرتے، ان کے دشمنوں کو برباد کرتے اور بھولے بھٹکوں کو راہِ راست دکھاتے ہیں۔

اس لئے یہ بھی کلمات اللہ "اللہ تعالیٰ کے کلمات" ہیں اور اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ سے یہ نفوسِ قدسیہ مراد ہو سکتے ہیں ان کی پناہ خدا کی پناہ اور ان کی عنایتِ خدا تعالیٰ کی عنایت ہے۔ کیونکہ یہ صفاتِ الہیہ کے مظہر ہیں۔

مقاماتِ ثلاثہ | اہل معرفت کے تین درجے ہیں یعنی تین مقامات ہیں۔ ایک ابتدائی مقام ہے جہاں صاحبِ معرفت کی نظر خالق و مخلوق دونوں پر ہوتی ہے۔

اس مقام پر ہوتے ہوئے یا اس مقام کے مطابق کہا جاتا ہے "اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ" یا "اعوذ باللہ من شر الشیطان" کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں شیطان کے شر سے یا ہر شریر کے شر سے۔

دوسرا مقام اس سے بلند ہے جہاں صاحبِ معرفت بجز توحید میں مستغرق ہوتا ہے۔ اور حقیقت بین نگاہوں سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے سوا اسے کوئی ہستی وجود حقیقی ذاتی کے ساتھ موجود نظر نہیں آتی ہے اور اس کی مشیت و ارادہ کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ وہی ایک ہستی ہے اور سب کا ساز ہی اسی ایک ہستی کی ہے تو وہ اللہ کے سوا کسی کی پناہ نہیں مانگتا اور اس کے سوا کسی سے پناہ نہیں مانگتا۔ کیونکہ خیر ہو یا شر، نیکی ہو یا بدی اور بھلائی ہو یا برائی سب اسی کی تخلیق ہے اور ہم اسی کی مخلوق اور ہمارے اعمال و افعال بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ اس کا اللہ ہی پر اعتماد اور اسی پر بھروسہ ہوتا ہے۔ لہذا وہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ کہتا ہے اور اس کے دل و دماغ میں غیر کا تصور تک نہیں آنے پاتا اور اس کی زبان پر اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ اللّٰهِ، کہ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اللہ کی ناراضگی سے ہے چنانچہ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے:

”اعوذ بک منک“ اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں تجھ سے۔

تیسرا مقام، مقام ارفع و اعلیٰ ہے یعنی سب سے اوجھا مقام و مرتبہ۔ اس مقام پر فائز حضرات کا ارشاد ہے کہ تعوذ میں دو چیزیں ہیں، ایک مطلوب اور دوسری ضروری الاجتناب یعنی اس میں ایک ہستی کی پناہ مطلوب ہوتی ہے اور دوسری چیز کے ثمر سے اجتناب و تحفظ کی ضرورت کا اظہار ہوتا ہے۔ ان مقام ارفع و اعلیٰ والے بزرگوں کے نزدیک (تعوذ میں) بھی غیر کا تصور ہے۔ لہذا یہ بھی غیر اللہ سے شغل و مشغولیت قرار پاتی ہے۔ یہ لوگ مقام فنا پر جلوہ گر ہونے کے بعد اس سے بھی ترقی کرتے ہوئے فنا فی نفس سے بھی گزر جاتے ہیں کیونکہ ان کی نظر میں خود ان کی اپنی ہستی بھی متصور نہیں ہوتی جبکہ فنا کے لئے ہستی کا تصور لازم ہے۔ لہذا وہ ”اعوذ باللہ“ کے مقام سے گزر کر ”بسم اللہ“ کے انوار میں مستغرق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ لہذا ان کی زبان پر ”بسم اللہ“ ہی آتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات تعوذ کی جگہ تسمیہ (بسم اللہ) پر اکتفا فرما لیتے تھے۔ لیکن آپ کا تعوذ بھی صرف تعلیم امت کے لئے تھا ورنہ آپ اس سے بلند و منزہ تھے کہ آپ کو شیطان کا بھی کوئی اندیشہ ہو جس سے آپ خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے پر مجبور ہوتے۔ کوئی مجبوری نہ تھی بلکہ امت کو تعلیم دینا مقصود تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ کا حوالہ گزر چکا۔

الدُّوْعَةُ الْمُسْتَعِيذُ (پناہ مانگنے والا)

تعوذ یا استعاذہ کے اجزاء ترکیبہ یا الہکان میں سے تیسرا جزء ترکیبی یا تیسرا رکن "الدُّوْعَةُ الْمُسْتَعِيذُ" ہے یعنی استعاذہ کرنے والا، پناہ مانگنے والا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ استعاذہ کے عمل کے عامل یا اس فعل کے فاعل کو مستعین کہتے ہیں۔ جس کے بغیر استعاذہ عمل میں نہیں آسکتا۔ لہذا مستعین بھی استعاذہ کے اجزاء ترکیبہ میں سے ایک اہم بلکہ سب سے اہم جز ہوا یا اہم رکن۔ اللہ تعالیٰ کا حکم فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ کہ اللہ کی پناہ مانگو اور اس کی تعمیل میں "اعوذ باللہ" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہنے والا کوئی معین شخص نہیں یا یہ حکم کسی شخص معین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ یہ حکم عام ہے۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شروع سے انبیاء و اولیاء اللہ کی پناہ مانگتے چلے آئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے پناہ چاہنے والوں کو نہ صرف پناہ دیتا ہے بلکہ **تعوذ پر انعام الہی** مزید انعام و اکرام سے بھی نوازتا ہے۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام

نے فرمایا :-

رَبِّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْأَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ -

"یعنی اے میرے پروردگار میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے کہ میں اس چیز کا

تجھ سے سوال کروں جس کا مجھے کوئی علم نہیں۔"

اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کو دو خلعتوں سے نوازا یعنی دو انعام

عطا فرمائے۔ ایک "سلامتی" اور دوسرا "برکتیں" یہ دو اہم انعام تھے۔ چنانچہ

قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے "قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ بِسَلَامٍ مِنَّا وَبَرَكَاتٍ عَلَيْنَا"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں فرمایا گیا کہ اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور سنجھ پڑ
 برکتوں کے ساتھ رکتی سے) اتر جاؤ۔ (سورہ ہود ۴۸) اور حضرت یوسف علیہ السلام کو جب
 بی بی زلیخا نے پھسلانے کی کوشش کی اور چاہا کہ آپ اس کی خواہش پوری کریں تو آپ نے
 فرمایا ”معاذ اللہ“ میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ یہ کام کروں) تو اللہ تعالیٰ
 نے انہیں (یوسف علیہ السلام کو) دو انعام عطا فرمائے۔ ایک یہ کہ ان سے ”سوء“ کو اور
 دوسرے ان سے ”فحشاء“ کو پھیر دیا۔ یہ دو انعام عطا فرمائے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ
 ہے: ”لِنَصْرَتِ عُنْهُ السُّوءِ وَ الْفَحْشَاءِ“ کہ ہم اس (یوسف علیہ السلام) سے
 برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں۔ یعنی انہیں عصمت سے متصف فرمایا جس کے نتیجے میں وہ
 خیانت اور زنا جیسی قبیح حرکتوں سے بچ گئے۔ خیانت اور زنا سے بچنا دونوں ہی خدا تعالیٰ
 کی طرف سے بندے کے حق میں بڑے انعام ہیں۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب
 یہ فرمایا: ”رَأَيْتِي عَذْتُ بِرَبِّي وَ رَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ
 الْحِسَابِ“ کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی پناہ مانگتا ہوں ہر اس تکبر والے سے
 جو روز حساب پر یقین نہیں رکھتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دو انعام عطا فرمائے۔ ایک
 یہ کہ ان کے دشمنوں فرعونیوں کو ڈبو کر ہلاک کر دیا اور دوسرا یہ کہ انہیں ان کی زمین اور
 ان کے گھروں کا وارث و مالک بنا دیا۔

حضرت بی بی مریم کی والدہ ماجدہ نے کہا ”وَ اِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذَرِيَّتَهَا
 مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ“ کہ (خدایا) اور بے شک میں اسے (مریم) کو اور اس کی
 اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطانِ مردود کے شر سے“ تو اللہ تعالیٰ نے
 انہیں دو انعام عطا فرمائے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:-

فَتَقَبَّلَهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ط

”پس اللہ تعالیٰ نے اسے اچھی طرح سے قبول کر لیا اور اسے اچھی طرح سے پروان چڑھایا۔“

اچھی طرح قبول کرنا اور اچھی طرح پروان چڑھانا دو مختلف انعام ہیں جو استعاذہ کی برکت سے انہیں عطا ہوئے۔ اسی طرح کی اور بھی قرآنی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہے ہیں شیطان مردود کے شر سے، بلکہ ہر شریر کے شر سے خواہ وہ انسان ہو یا جن۔

تعوذ سے شیطان بھاگتا ہے

حدیث میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپس میں تلخ کلامی کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک صاحب کے چہرے سے غصے کے آثار نمایاں ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

انی لا علو کلمۃ لو قالہا لذهب
غضبہ "اعوذ باللہ من الشیطان
الرجیم"

» بلاشبہ ضرور مجھے ایک ایسا کلمہ معلوم
ہے کہ اگر وہ اس کلمہ کو کہتا اس کا
غصہ جاتا رہتا۔ یعنی اعوذ باللہ من

الشیطان الرجیم - (صحیح ترمذی ج ۲ ص ۱۸۳)

مطلب یہ کہ اگر وہ جھگڑنے والے "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھتے تو ان کی تلخی دور ہو جاتی۔ کیونکہ تلخی پیدا کرنے والا شیطان ہے جس کی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمانوں میں جھگڑے ہوں، بغض و عناد پھیلے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ شیطان تمہارے درمیان بغض و عداوت ڈالنا چاہتا ہے۔ اس سے الحب للہ والبغض للہ یعنی اللہ کے لئے کسی سے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے کسی سے بغض رکھنا متشبی ہے۔ کیونکہ یہ ایمان کا حقہ ہے اور اس کے بغیر ایمان کامل نہیں ہوتا۔

غرضیکہ جب دو مسلمانوں میں خدا نخواستہ تلخی اور جھگڑا پیدا ہونے لگے تو دونوں کو فوراً یہ نیت اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا چاہیئے کہ ان کے بیچ میں شیطان گود پڑا ہے جو انہیں آپس میں لڑانا چاہتا ہے اور اسے تعوذ کے ذریعے

بھگائیں اور اس کے شر سے خدا کی پناہ چاہیں۔

غصے میں عقل باقی نہیں رہتی اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ انسان اس بات کو جانتا

ہے کہ وہ اس جہان کے مصالح و مفاسد کا کما حقہ

علم نہیں رکھتا بلکہ بہت ہی کم جانتا ہے۔ اسے اس جہان کے

مصالح و مفاسد کا بہت ہی تھوڑا علم ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "وَمَا أُوْتِيتُمْ

مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا"، کہ تمہیں تھوڑا ہی علم دیا گیا ہے اور اب وہ اس تھوڑے

علم سے فائدہ تب اٹھا سکتا ہے جب وہ عقل کی فکر اور دماغ کی سوچ کو بھی اس علم

قلیل (تھوڑے سے علم) کے ساتھ رکھے اور عقل و فکر سے مدد حاصل کرے۔ اور یہ بات

مسلم ہے کہ غصے اور تلخی کے وقت عقل متاثر ہوتی ہے بلکہ مغلوب ہو جاتی ہے یہاں تک

کہ انتہائی غصہ کے وقت عقل باقی ہی نہیں رہتی۔ اب اس حالت میں انسان جو کچھ کہے گا

یا کرے گا وہ درست طریقہ پر نہ ہوگا اور جب اس حالت و کیفیت میں اسے یہ بات

یاد آجائے گی کہ غصہ میں عقل باقی نہیں رہتی اور اس حالت میں کچھ کہنا یا کوئی قدم اٹھانا

نہ صرف یہ کہ درست نہ ہوگا بلکہ انتہائی غلط ہوگا تو وہ اس حالت میں کچھ کرنے اور

کہنے سے باز آجائے گا اور یہ بات بھی اُس کے ذہن میں ضرور آئے گی کہ وہ بھلائیوں

کے حاصل کرنے اور برائیوں کے دفع کرنے میں اپنے خالق و مالک اللہ سبحانہ و تعالیٰ

کی طرف رجوع کرے جو اس جہان کے مصالح و مفاسد اور خیر و شر کو پوری طرح جانتا ہے۔

اس عالم کی کوئی دقیق سے دقیق چیز اور مخفی سے مخفی بھید بھی اس کے علم سے باہر نہیں

ہے تو وہ بے ساختہ بول اٹھے گا "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ" کہ میں اللہ

کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود کے شر سے۔ گویا وہ دعا کر رہا ہے اور اپنے خالق و مالک

کے حضور التجا کر رہا ہے کہ اے خدائے ذوالجلال! میرا علم ناقص، میرا فہم قاصر اور میرا

ادراک عاجز ہے۔ اس عالم کے مصالح و مفاسد اس عالم کی نیکی و بدی اور اس کے خیر و شر

سے میں پوری طرح واقف نہیں ہوں بلکہ کچھ نہیں جانتا۔ تیرا علم ہر شئی کو محیط ہے۔ مجھے ہر
اس عالم کی بھلائیوں سے ہمکنار اور اس کی برائیوں سے دور و بے زار کر، میں تیری ہی پناہ
میں آتا اور تیرے ہی دامنِ رحمت سے چٹتا ہوں کہ تو ہی علیم وخبیر اور دانا و بصیر ہے۔

تعوذ، اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے | اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت
واضح ہو جاتی ہے کہ تعوذ

درحقیقت اپنے معاملہ کو اللہ کے حوالے کرنا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب دو
شخصوں میں جھگڑا یا تلخی پیدا ہوتی ہے تو ان میں سے ہر ایک کو یہ سوچنا چاہیے کہ عموماً اس
وقت انسان کو قطعی طور پر معلوم نہیں ہوتا کہ وہ حق پر ہے اور نہ ہی یہ بات قطعی طور پر اسے
معلوم ہوتی ہے کہ اس کا فریق (مدقابل شخص) حق پر ہے۔ ایسی صورت میں یعنی جب
قطعی طور پر اور بدیہی طریقے سے اور نہایت ہی روشن صورت میں کسی ایک کا حق پر
ہونا واضح نہ ہو تو ایسی صورت میں انسان کو لڑنے جھگڑنے اور تلخی میں پڑنے کی بجائے
اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا چاہیے اور یہ سمجھ کر لینا چاہیے کہ اگر حق میری طرف
ہوگا یعنی میں حق پر ہوں اور میرا فریق حق پر نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ میرے فریق و مدقابل کے
ساتھ میری طرف سے نمٹ لے گا اور میرا حق مجھے دلوائے گا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی عدل و
انصاف والا ہے اور اگر حق میرے فریق و مدقابل کی طرف ہو یعنی وہ حق پر ہو تو
پھر تو میرا اس جھگڑے سے دستبردار ہونا ہی ضروری ہے تاکہ میں ظلم و زیادتی کا مرتکب
نہ ہوں۔ اور اس صورت میں انسان کو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا چاہیے اور یہ کہہ
کر کہ ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ اس خصومت و کشمکش سے
کنارہ کش ہو جانا چاہیے۔

تعوذ، اللہ کی زیادہ قدرت کا اعتراف ہے | تعوذ، درحقیقت بندے کی
طرف سے اس بات کا اعتراف

ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ قدرت و قوت والا ہے بلکہ اس بات کے یقین کا اظہار کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق اور بندہ عاجز و کمزور ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اس وقت غصہ میں آتا ہے جب اُسے یہ احساس ہو کہ وہ بہت ہی قوت و شدت کا حامل ہے جس سے وہ اپنے فریق و مد مقابل کو زیر کر کے رہے گا۔ اگر کسی وقت ایسا خیال پیدا ہو اور اس خیال کے ساتھ غصے میں تیزی آنے لگے تو انسان کو اس وقت یہ بات کبھی بھی نہیں بھولنا چاہیے بلکہ یہ ذہن و عقل میں لائے بغیر نہیں رہنا چاہیے کہ اس جہان کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ مجھ سے کہیں زیادہ قوت و قدرت رکھتا ہے۔ پھر میں کئی بار یا بارہا اس کی نافرمانی کا مرتکب ہوا ہوں اور قادرِ مطلق ہونے کے باوجود اس نے اپنے فضل و کرم سے کام لیتے ہوئے ہمیشہ مجھ سے درگزر فرمایا۔ لہذا مجھے بھی اس شخص سے جس پر مجھے غصہ آ رہا ہے اور جسے میں اپنے غیض و غضب کا نشانہ بنا سکتا ہوں ضرور درگزر کرنا چاہیے تو جب انسان کی عقل میں یہ بات آئے گی تو وہ خصومت و جھگڑے کو چھوڑ دے گا اور کہے گا

”اعوذ باللہ“ ان تمام تفصیلات کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشادِ گرامی ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا أَهْتَمُّوا
طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا
فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ
(سورۃ اعراف ۲۰۱)

”بے شک وہ جو ڈروالے ہیں جب انہیں
کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار
ہو جاتے ہیں اسی وقت ان کی آنکھیں
کھل جاتی ہیں“

یعنی بندہ جب ان اسرار و رموز کو اپنی عقل میں حاضر کرے گا تو اُسے راہِ راست دکھائی دے گا جس کے نتیجے میں وہ جنگ و جدال، لڑائی، جھگڑے اور کش مکش کو کلیتہً چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر راضی ہو جائے گا۔

تَعُوذُ سَعْدِ بْنِ شِهَادَةَ | حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”جس نے صبح کے وقت اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ کہا اور سورہ
حشر کی آخری تین آیتیں تلاوت کیں، اللہ تعالیٰ اُس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے
مقرر کر دے گا جو اُس کے لئے بخشش کی دُعا کریں گے یہاں تک کہ شام
ہو، پھر اگر وہ اس روز مر گیا تو شہید مرا اور جس نے شام کو اسے پڑھا تو اسی
درجے پر فائز ہو گیا۔“ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۷۷)

اور یہ جو حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقررہ
کئے جائیں گے جو اس کے لئے دُعا ئے مغفرت کریں گے اور یہ کہ اگر اسی روز اس کا
انتقال ہو گیا تو اُسے شہادت کا درجہ نصیب ہوگا عین قرین قیاس و عقل کے مطابق
ہے۔ کیونکہ بندے کا اَعُوذُ بِاللّٰهِ کہنا اپنی ذات کے کمالِ عجز اور اپنے انتہائی کمزور
ہونے کا مشاہدہ و اعتراف ہے اور سورہ حشر کی آخری تین آیتیں اللہ تعالیٰ کی عظمت
اور اُس کے جلال و کمال کا مشاہدہ و اعتراف ہے اور بندے کو مقامِ عبودیت میں
کمالِ حال ان دو مقاموں کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے اور جب کوئی بندہ اس کمال
حال سے متصف ہوتا اور اس درجہ کمال میں فائز ہوتا ہے تو وہ اس قابل ہوتا اور
یہ شان رکھتا ہے کہ ملائکہ اس کے لئے مغفرت و بخشش کی دُعا کریں اور اس حالت
میں اس کی موت شہادت کی موت ہو۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

شَیْطَانٍ كَوْدٍ كَرِهَ لِمَنْ قَالَ

”جس نے دن میں دس بار ”تَعُوذُ كَمَا“

اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھا اللہ تعالیٰ

مَمَرَاتٍ وَ كَلَّ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ

مَدَّكَ يَدُودٌ عَنْهُ الشَّيْطَانُ - اس کے ساتھ ایک فرشتے کو مقرر کر دیا جو

(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۷۷) اس سے شیطان کو دور رکھے گا۔

یہ تعوذ کی عظیم الشان برکت ہے کہ شیطان قریب نہ پھٹکے اور اس کا فلسفہ یہ ہے کہ جب بندہ "اعوذ باللہ" کہتا اور ساتھ ہی اس کے مفہوم و معنی پر عقل سے غور کرتا ہے تو اس سے اس پر اپنی ناقص قدرت اور ناقص علم کی حقیقت کھل جاتی ہے۔ اس حقیقت کے کھل جانے کے بعد وہ نفس کی خواہش کی طرف توجہ نہیں دے گا اور ان کاموں کا ارتکاب نہیں کرے گا جن کے ارتکاب کی نفس دعوت دیتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ سب سے بڑا شیطان تو خود انسان کا اپنا نفس ہے۔ لہذا اس کے بعد انسان شیطان کے چکر میں بہرگز نہیں آئے گا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اس کلمہ (تعوذ) کا پڑھنا شیطان کو دور کرتا ہے۔

تعوذ، نو وارد کے لئے حفظ و امان ہے | حضرت بی بی خولہ بنت حکیم سلمیہ رضی اللہ عنہا، نبی کریم صلی اللہ علیہ

وسلم سے روایت فرماتی ہیں۔ آپ نے فرمایا :-

«جو شخص کسی جگہ میں وارد ہوا پھر "اعوذ بکلمات اللہ التامات من

شر ما خلق»، (میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات کاملہ کی اس کی مخلوق

کے شر سے) پڑھا تو اسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی یہاں تک کہ وہ

اس جگہ سے کوچ کر جائے۔ (صحیح ترمذی ج ۲ ص ۱۸۲)

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم عقلیہ میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روحانی اشخاص

جسمانی اشخاص سے کہیں بڑھ کر ہیں اور یہ کہ آسمان ادوارح طاہرہ سے بھرے پڑے ہیں۔

چنانچہ حدیث میں ہے۔ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان چرچراتا ہے اور

اُسے حق ہے کہ چرچراتے، آسمان میں کوئی جگہ قدم رکھنے کی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی

فرشتہ قیام میں نہ ہو، قعود میں نہ ہو۔ اسی طرح زمین اور ہوا ادوارح سے بھرے

ہوئے ہیں اور زمین و ہوا کی بعض روہیں پاکیزہ، نورانی اور نیک ہیں اور بعض گندی، ایذا پہنچانے والی اور شرارتی ہیں۔ توجب انسان نے (أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ) کہا تو بے شک اس نے ان پاکیزہ روہوں کی پناہ لی خبیث روہوں کے شر سے اور اس کے علاوہ "کلمات اللہ" اللہ تعالیٰ کا قول "کن" ہے اور یہ اُس کی قدرتِ نافذہ سے عبارت ہے اور جس نے اللہ کی قدرتِ نافذہ، کاملہ، مؤثرہ کی پناہ لی اُسے کوئی چیز نقصان نہیں پہنچائے گی۔

پریشان کن خواب سے تَعُوذُ حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ اور وہ اُن کے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

”جب تم میں سے کوئی شخص نیند (میں پریشان کن خواب دیکھنے) سے گھبرا جائے تو یہ پڑھے: أَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهِ وَ عِقَابِهِ وَ شَرِّ عِبَادِهِ وَ مِنْ شَرِّ هَمَزَاتِ الشَّيْطَانِ وَ أَنْ يَحْضُرُونَ“ تو خواب اُسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔“
(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۷۵)

دُعا کا ترجمہ یوں ہے :-

و میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی اس کے غضب سے اور اُس کے عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانوں کے وسوسوں کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں۔“

اور قرآن کریم کی سورت مؤمنون آیت ۹۸، ۹۹ میں ہے :-

قُلْ رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ

”تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری

هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَاعُوذُ
پناہ شیاطین کے وسوسوں سے اور
بِكَ رَبِّ أَنْ يَحْضُرُونَ۔
اے میرے رب! تیری پناہ کہ وہ میرے

(مومنون ۹۹)
پاس آئیں ۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایشاد میں فرمودہ دعا اسی آیت کہ یہ میں وارد دعا سے قریب
قریب ملتی جلتی ہے ۔

تعویذ

حدیث میں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بالغ غلاموں کو اس
دعا کی جو حدیث مذکور میں گزری تعلیم دیتے اور غیر بالغوں کے گلے میں اس کا تعویذ بنا کر
ڈالتے تھے۔ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۷۵)

اور سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو پناہ میں دیتے تھے اور یوں
فرماتے تھے :-

أَعِيذُكُمْ بِكَلِمَاتِ اللَّهِ التَّامَّاتِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَةٍ
وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ رَومَةٍ ۔

» میں تمہیں اللہ کے کلماتِ کاملہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔ ہر شیطان اور ہر شریر اور ہر نظر بد سے
اور فرماتے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے صاحبزادوں حضرت اسمعیل و حضرت اسحاق
علیہما السلام کو ان کلمات کی پناہ میں دیتے تھے ۔

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں استعاذہ کی اہمیت

حضرت اکرم رسول اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

استعاذہ یا تعوذ کے معاملے کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب آپ نے

ایک خاتون سے نکاح فرمایا اور اس کے پاس تشریف لائے تو اس کی زبان سے نکلا
 ”أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ“ (کہ میں اللہ کی پناہ مانگتی ہوں تم سے) تو آپ نے جواب
 میں اس عورت سے فرمایا :-

عُذَّتْ بِمَعَاذِ فَالْحَقِّي بِأَهْلِكَ

”تجھے خوب پناہ دے دی گئی، پس اپنے گھر والوں سے ہاملو، یعنی۔

گھر چلی جاؤ“

ایک سوال اور جواب

واقعہ یہ ہے کہ اس خاتون کو غلط فہمی میں ڈالا گیا تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 تمہارے پاس تشریف لائیں تو تم اس طرح کہنا۔ وہ یہ سمجھیں کہ شاید یہ کلمات کہنا
 یہاں کے رسم و رواج کے مطابق ہو گا اور یہ کہ وہ خاتون دوسرے علاقہ کی تھیں
 جو اس کلمہ کی حقیقت سے واقف نہ تھیں۔ اس لئے غلط فہمی میں آکر انہوں نے یہ کلمہ
 کہہ دیا اور حقیقت میں ان کا ادا نہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو چھوڑ دیں اور
 گھر بھیج دیں۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی علم نہ ہو سکا کہ وہ عورت دل سے اور
 دیدہ دانستہ یہ کلمہ نہیں کہہ رہی ہیں اور نہ ہی اس کا یہ ادا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم
 اسے چھوڑ دیں۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو غیب
 کا علم نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے علم غیب کی نفی نہیں ہوتی بلکہ اس سے اس قدر
 معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں استعاذہ کی بہت ہی اہمیت تھی
 اس لئے آپ نے اسے اپنے سلسلہ ازواج میں شامل کرنے کا ادا ترک فرما دیا۔
 اس سے قطع نظر کہ اس خاتون کا فی الواقعہ یہ ادا تھا یا نہ تھا۔ چنانچہ امام فخر الدین رازی

علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں :-

واعلم ان الرجل المستبصر
بنور الله لا التفات له
الى القائل وانما التفاتہ
الى القول فلما ذكرت تلك
المعوذۃ كلمة " اَعُوذُ بِاللهِ "
بقی قلب الرسول صلی اللہ
علیہ وسلم مشتغلاً بتلك
الكلمة ولم يلتفت الى
انها قالت تلك الكلمة
عن قصد ام لا -

و معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے
نور کے ساتھ دیکھنے والا شخص قائل
(کہنے والے) کی طرف توجہ نہیں
کرتا بلکہ قول ہی کی طرف توجہ رکھتا
ہے۔ لہذا جب اس عورت نے
" اَعُوذُ بِاللهِ " کا کلمہ کہا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اس کلمہ کی
اہمیت میں مشغول ہو گیا اور اس
بات کی طرف توجہ نہ فرمائی کہ اس عورت
نے یہ کلمہ ارادہ سے کہا ہے یا نہ۔

(تفسیر کبیر ج ۱ ص ۷۵)

امام رازی علیہ الرحمۃ کی اس تحقیق سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس خاتون
کے استعاذہ کے ظاہر پر نظر ڈالتے ہوئے اسے علیحدہ کر دیا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام اور
اس کی ذات ایک ایسی ذات ہے جس کی دل و جان سے تعظیم کرنا ایک مسلمان کا ایمانی
تقاضا ہے آپ نے اس بات کی طرف توجہ نہ فرمائی کہ وہ قصداً یہ کہہ رہی ہے یا غلط فہمی
سے اور بغیر قصد ارادہ سے کہہ رہی ہے۔

جامع التعوذات

اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ تعوذات کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضور
صلی اللہ علیہ وسلم مختلف اوقات میں فرماتے تھے ان میں تقریباً ان تمام چیزوں
کا بیان ہے جن سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیے تاکہ قارئین اس سے مستفید
ہوں اور ان تعوذات کا وظیفہ کر سکیں۔

۲۵ ظلم اور زیادتی سے پناہ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔

اے میرے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے یا میں ایسا گناہ کروں جو میری نیکیوں کو ضائع کر دے یا ایسا گناہ کروں جو نہ بخشا جائے گا۔

أَعُوذُ بِكَ اللَّهُمَّ أَنْتَ
أَظْلَمَ أَوْ أَظْلَمَ أَوْ أَعْتَدِي
أَوْ يُعْتَدَى عَلَيَّ أَوْ
أَكْتَسِبَ خَطِيئَةً مَحْبُطَةً
أَوْ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ الْخ

(مسند امام احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۹۱)

اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں سے خدا کی پناہ مانگی ہے (۱) ظلم، یعنی اس بات سے کہ آپ کی طرف سے کسی پر ظلم ہو (۲) اس بات سے کہ آپ پر کوئی ظلم کرے (۳) تعدي، اس بات سے کہ آپ کسی پر کوئی زیادتی کریں (۴) اس بات سے کہ آپ کے ساتھ کوئی زیادتی کرے۔ (۵) خطیئہ، ایسے گناہ کے ارتکاب سے، جس سے نیکیاں ضائع ہو جائیں جیسے کفر و ارتداد اور خدا تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی۔ (۶) ایسے گناہ کے ارتکاب سے، جو قابلِ بخشش نہ ہو۔ اس سے مراد کفر و ارتداد اور وہ گمراہی و بد عقیدگی ہے جو کفر کی حد تک ہو مثلاً ضروریات دین میں سے کسی ضروری کا انکار یا اس میں ادنیٰ شک و تردد اور اس میں بندوں کے حقوق بھی شامل ہیں جن کی بخشش اس وقت تک نہ ہوگی جب تک صاحبِ حق معاف نہیں کرے گا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ گناہ سے معصوم تھے اس لیے آپ کا ان گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا صرف امت کی تعلیم و تربیت کے لیے تھا تا کہ امت کے دل و دماغ

میں کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کرنے اور دیگر مذکورہ جرائم و معاصی کے خلاف نفرت جاگزیں ہو اور وہ ان سے دور رہیں۔

چار چیزوں سے پناہ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان
یتعوذ من اربع من علم لا ینفع من
قلب لا ینشع ودعاء لا یسمع
و نفس لا تشبع
بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
چار چیزوں سے پناہ مانگتے تھے
ایسے علم سے جو نفع نہ دے
اور ایسی دعا سے جو نہ سنی جائے
اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو۔

(سنن نسائی ج ۲ ص ۲۱۲)

اس سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرماتے تھے

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَا
يَنْشَعُ وَمِنْ دُعَاءٍ لَا يُسْمَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَسْبَعُ

جو علم نفع نہ دے اس سے علم وہ مراد ہے جس پر علم والا عمل نہ کرے۔ یہ علم علم والے کے خلاف خدا تعالیٰ کی حجت ہے مثلاً ایک شخص کو پتہ ہے کہ نماز پنجگانہ فرض ہے لیکن اس کے باوجود نمازوں کی پابندی نہ کرے اس طرح یہ معلوم ہو کہ زکوٰۃ فرض ہے لیکن ادا نہ کرے یہ معلوم ہو کہ اس پر حج فرض ہے پھر حج کو نہ جائے یہ معلوم ہو کہ روزہ فرض ہے پھر روزہ نہ رکھے یہ معلوم ہو کہ ماں باپ کا ادب و احترام اور ان کی فرمانبرداری جائز امور میں فرض ہے پھر ان کا ادب و احترام نہ کرے اور ان کی فرمانبرداری نہ کرے یہ معلوم ہو کہ علماء اہلسنت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں دین کے رہنما ہیں واجب الاحترام ہیں ان کی اطاعت کرنا شریعت کی رو سے ضروری ہے لیکن ان کا ادب و احترام نہ کرے یا ان کی اطاعت نہ کرے اسی طرح جن احکام شریعہ کا علم ہو پھر ان پر عمل نہ کرے یہ معلوم ہو کہ غیبت حرام ہے پھر غیبت کرے۔ یہ معلوم ہو کہ نیکیوں کا دکھلاوا منع ہے

پھر دکھلاوے کے لیے نیکی کرے۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب کام اس دُعا کے تحت آتے ہیں۔ اس دل سے مراد جو خشوع نہ کرے وہ دل ہے جس میں تواضع نہ ہو انکساری نہ ہو۔ خدا تعالیٰ کا خوف نہ ہو بلکہ اس کی جگہ تکبر اور غرور بھرا ہوا ہو اور سخت ہو اور نہ سنی جانے والی دعا سے وہ دعا مراد ہے جو عند اللہ قابل قبول نہ ہو اور اس کی کئی ایک وجوہات ہیں جن کی بنا پر دعا قبول نہیں ہوتی ظالم کی دعا قبول نہیں ہوتی سخت دل انسان کی نہیں ہوتی۔ متکبر اور مغرور شخص کی نہیں ہوتی۔ ریاکار کی نہیں ہوتی۔ جس کی روزی حرام کی ہو اس کی نہیں۔ ماں باپ۔ استاذ دینی۔ علماء اور بزرگانِ اسلام کے بے ادب کی نہیں ہوتی۔ بد عقیدہ کی نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اے اللہ مجھے ایسا ایسا انسان بنا جس کی دعا قبول نہ ہو اور اس نفس سے جو نہ بھرے اور سیر نہ ہو وہ نفس مراد ہے جو مال و دولت اور عیش و عشرت اور دنیا کی خواہشات کا دلدادہ ہو۔ دنیوی لذتوں میں ڈوبا ہوا ہو، آخرت کے فکر سے بے نیاز اور دنیا کے جاہ و جلال کی طرف راغب و مائل ہو، استطاعت اور توفیق ہونے کے باوجود راہِ خدا میں غریب گھبراتا ہو۔ زیادہ سے زیادہ مال و دولت جمع کرنے اور جمع رکھنے کا شائق و حریص ہو۔

جامع المتفرقات

اب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متفرق دعاؤں میں واقع الفاظ کو قارئین کی سہولت کے لیے ایک جگہ جمع کیے دیتے ہیں بالخصوص وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں کے بعد ارشاد فرماتے یا سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے یا گھر تشریف لاتے ہوئے ان کا صبح و شام و درگھنا بہت ہی مصیبتوں سے حفاظت کا باعث ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
اے میرے اللہ! میں تیری

مِنَ الْجُبْنَ وَالْبُخْلِ وَفِتْنَةِ
 الصَّدْرِ وَعَذَابِ الْقَبْرِ
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ
 شَرِّ سَمْعِي وَشَرِّ بَصَرِي
 وَشَرِّ لِسَانِي وَشَرِّ قَلْبِي وَشَرِّ
 مَتْنِي وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ
 الْعُمُرِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ
 فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَأَعُوذُ بِكَ
 مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَسُوءِ
 الْعُمُرِ ، اللَّهُمَّ إِنِّي
 أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْعَجْزِ
 وَالْكَسَلِ وَالْهَرَمِ وَفِتْنَةِ
 الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ ،
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الْهَمِّ وَالْحُزْنِ
 وَغَلَبَةِ الرِّجَالِ
 وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الدَّيْنِ
 وَفِتْنَةِ الدَّجَالِ
 وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الْمَغْرَمِ
 وَالْمَأْثَمِ -

پناہ مانگتا ہوں (نیکی کے معاملہ میں)
 بزدلی سے اور بخل سے اور سینہ
 کے قطنہ سے اور قبر کے عذاب سے
 اے میرے اللہ ! میں تیری پناہ
 مانگتا ہوں اپنے کانوں کے شر سے
 اپنی آنکھوں کے شر سے اپنی زبان
 کے شر سے اور اپنے دل کے شر سے
 اور اپنی شرمگاہ کے شر سے اور تیری
 پناہ اس بوڑھاپے سے جس میں ظاہری و
 باطنی حواس کام کے نہ رہیں (اور
 سمجھ بچے کی سی حالت ہو جائے) اور
 تیری پناہ دنیا کے قطنہ سے اور تیری پناہ
 قبر کے عذاب سے اور میری زندگی -
 اے میرے اللہ ! تیری پناہ نیک
 کام کرنے میں عاجز آجانے اور سست
 ہو جانے سے اور نہایت ہی بوڑھاپے سے
 جس سے حواس جو اب دے جائیں اور زندگی
 اور موت کے قطنہ سے - اے میرے
 اللہ ! تیری پناہ رنج و غم اور مردوں
 کے غلبہ سے اور تیری پناہ قرض
 سے اور دجال کے قطنہ سے اور
 تیری پناہ قرض و تاوان اور گناہ
 سے -



اے میرے اللہ! تیری پناہ
 روزی کی تنگی سے اور تیری پناہ مال
 کی قلت سے جو ضروریات کو پورا نہ
 کر سکے۔ اور اس کی وجہ سے عبادات
 میں خلل واقع ہو اور ذلت سے
 اے میرے اللہ! تیری پناہ
 آگ کے فتنہ سے اور آگ کے عذاب
 سے اور دولت کی فراوانی سے جسے
 راہ خدا میں خرچ نہ کیا جائے۔
 اے میرے اللہ! تیری پناہ بھوک
 سے۔ پس بے شک بھوک کروٹ
 کا برا سا تھی ہے اور تیری پناہ
 خیانت سے پس بے شک خیانت
 اندر کی بری خصلت ہے۔ اے
 میرے اللہ! تیری پناہ جھگڑے
 سے اور منافقت سے اور برے
 اخلاق سے۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ
 کفر سے اور تیری پناہ دشمن کے
 غلبہ سے اور دشمن کی ہمنسی سے
 اے میرے پروردگار! تیری پناہ

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الْفَقْرِ وَأَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الْقِلَّةِ وَالذَّلَّةِ
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنْ فِتْنَةِ النَّارِ وَعَذَابِ
 النَّارِ وَشَرِّ فِتْنَةِ الْغِنَاءِ
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الْجُوعِ فَإِنَّكَ بِيَسُّ
 الْمَضْجِعِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ
 الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ بِسُّ
 الْبَطَانَةِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الشَّقَاقِ وَالْمِنَاقِ
 وَسُوءِ الْأَخْلَاقِ -

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ
 مِنَ الْكُفْرِ وَأَعُوذُ بِكَ
 مِنْ غَلْبَةِ الْعَدُوِّ وَ
 شِمَاتَةِ الْأَعْدَاءِ - رَبِّ أَعُوذُ بِكَ

کہ میں سیدھے راستے سے پھسلوں
یا گمراہ ہو جاؤں یا ظلم کروں یا مجھ پر ظلم
ہو یا میں جاہلانہ کام کروں یا کوئی میرے
ساتھ جاہلیت کا مظاہرہ کرے۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ بد بختی
کے لاحق ہونے سے اور بری تقدیر
سے اور گراں حالی سے

اے میرے اللہ! تیری پناہ
جنون (پانگلپن) اور کوڑھ اور سفید
داغوں کی بیماری سے اور تمام نقصان
پہنچانے والی بیماریوں سے اور جنوں
اور السالوں کی نظر بد سے اور بوڑھاپے
کی برائی سے۔

اے میرے اللہ! تیری پناہ
سفر کی تکلیف اور واپسی کے رنج
سے اور بہتر حالت سے بری حالت
کی طرف پلٹ آنے سے۔

اور مظلوم کی بد دعا سے اور اہل دمال
اور اولاد میں برے منظر سے اور
تیری پناہ گھر کے مقام میں برے
پرہوسی سے

مِنْ أَنْ أَسْأَلَ أَوْ أَضِلَّ
أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ
أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ
عَلَيَّ -

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
مِنْ دَرَكِ الشَّقَاءِ وَسُوءِ
الْقَضَاءِ وَجَهْدِ الْبَلَاءِ -

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ
مِنَ الْجُنُونِ وَالْجَذَامِ
وَالْبُرْصِ وَسَيْئِ الْأَسْقَامِ
وَمِنْ عَيْنِ الْجَارِ وَعَيْنِ
الْإِنْسِ وَسُوءِ الْكِبَرِ -

۵۰

اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ
وَعَثَاءِ السَّفَرِ وَكَابَةِ
الْمُنْقَلَبِ وَالْحَوْرِبَعْدِ
الْكُورِ -

وَدَعْوَةِ الْمَظْلُومِ وَسُوءِ
الْمَنْظَرِ فِي الْأَهْلِ وَالْمَالِ
وَالْوَالِدِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ
جَارِ السُّوءِ فِي دَائِرِ الْمَقَامِ

وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ
 شَيَاطِينِ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ وَ
 أَعُوذُ بِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ -
 وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ دَابَّةٍ
 وَمِنْ شَرِّ نَفْسِي وَأَعُوذُ بِكَ
 مِنَ الشَّرِّ وَالنَّوْمِ وَالْحَرَبِ
 وَالغَرَقِ وَأَعُوذُ بِكَ
 أَنْ يَتَخَبَّطَنِي الشَّيْطَانُ
 عِنْدَ الْمَوْتِ وَأَعُوذُ بِكَ
 أَنْ أَمُوتَ لَدِيغًا وَأَعُوذُ بِكَ
 مِنْ ضَيْقِ الْمَقَامِ يَوْمَ
 الْقِيَامَةِ - اللَّهُمَّ إِنِّي
 أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ
 شَيْءٍ وَأَعُوذُ بِكَ مِنَ الشَّرِّ
 كُلِّهِ عَاجِلِهِ وَآجِلِهِ -
 دسائلی، ترمذی و ابن ماجہ

و بخاری و ابوداؤد

یہ تمام الفاظ مختلف احادیث سے لے کر، ایک جگہ جمع کر دیئے
 گئے ہیں اور ان کا صبح و شام پڑھنا بلاشبہ بہت ہی مفید ہوگا اور
 اگر کبھی وقت اس قدر تنگ ہو کہ ان کے پڑھنے کی گنجائش نہ ہو تو ان کلمات
 کا پڑھ لینا کافی ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے موقع پر پڑھنے کو

اور تیری پناہ جنوں اور انسانوں
 کے شیطانوں کے شر سے اور تیری
 پناہ تیری نعمت کے زوال سے -
 اور تیری پناہ ہر جانور جو زمین پر
 چلتا ہے کے شر سے اور تیری پناہ
 اوپر سے نیچے گرنے اور عمارت کے
 اوپر سے آگرنے اور غم اور جلنے
 اور ڈوبنے سے اور تیری پناہ
 کہ موت کے وقت شیطان مجھے
 بدحواس کرے اور تیری پناہ کہ میں
 کسی زہریلے جانور کے دُنگ سے
 یا ڈسنے سے مروں اور تیری پناہ
 قیامت کے دن کی پلشی کی تنگی سے
 اے میرے اللہ تیری پناہ
 ہر چیز کے شر سے ابھی کے اور
 آگے پلش آنے والے شر سے -

ارشاد فرماتے جب کسی کو سب کا پڑھنا مشکل ہو

اجمع التعوذات

چنانچہ ترمذی میں حضرت ابی امامہ

رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بہت بڑی دعا فرمائی کہ اس میں سے ہمیں کچھ یاد نہ رہا۔ ہم نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! آپ نے ایسی بہت بڑی دعا فرمائی کہ ہمیں اس میں سے کچھ یاد نہیں رہا۔ آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں جو اس میری دعا کے تمام کلمات (کی روح) کو سمیٹے ہوئے ہو؟ تم یوں کہا کرو۔

اے میرے اللہ! بیشک ہم تجھ سے ہر اس چیز

کی بھلائی میں کچھ مانگتے ہیں جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ

وسلم نے تجھ سے مانگا اور ہم ہر اس چیز کے شر سے تیری پناہ مانگتے

ہیں جس سے تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے تیری پناہ مانگی اور تجھ سے مدد

چاہی جاتی ہے اور تجھ پر کفایت

(بھروسہ) ہے اور حرکت و قوت

اللہ ہی کی توفیق سے ہے

اللَّهُمَّ إِنَّا نَسْأَلُكَ مِنْ

خَيْرِ مَا سَأَلَكَ مِنْدُ بَنِيكَ

مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا

اسْتَعَاذَ مِنْهُ بَنِيكَ

مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

وَإِنَّتَ الْمُسْتَعَانُ وَعَلَيْكَ الْبَلَاغُ

وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ -

(صحیح ترمذی ج ۲ ص ۱۹)

ستر سے زیادہ چیزیں ہیں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استعاذہ

فرمایا (پناہ مانگی) اور اگر کسی کو ان کے پڑھنے اور ہمیشہ کے لیے ورد

کرنے کی فرصت نہ ملے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد بالا مذکور

کے مطابق یہ مختصر سا وظیفہ پڑھنا بھی اس بڑے وظیفہ کی جگہ کافی ہے۔

(۴) الْمُسْتَعَاذِمِنَهُ

(یعنی جس سے پناہ مانگی جائے)

استعاذہ یا تعوذ کے اجزاء ترکیبہ یا ارکان میں سے ایک اہم جز یا رکن «المستعاذمنہ» ہے اور المستعاذمنہ کے معنی وہ شخص یا چیز جس سے خدا کی پناہ مانگی جائے یعنی شیطان اور شیطان سے پناہ مانگنے سے مراد اس کے شر سے پناہ مانگنا ہے اور شیطان کا شر دلوں میں وسوسہ اور غلط خیال ڈالنا ہے بلاشبہ خطرہ شیطان ہو یا اس کا وسوسہ و شر بہت بڑی مصیبت و آفت ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آرماتا ہے تاکہ لوگوں کی نظروں میں رحمانی اور شیطانی قوتیں ایک دوسرے سے ممتاز و جدا ہو جائیں۔ شیطان کے شر اور اس کے خطرہ و وسوسہ کو معمولی چیز نہ سمجھا جائے۔ یہ بہت بڑی چیز ہے اور بہت ہی خطرناک، ایمان کے لیے تباہ کن اور دین کے لیے سخت مضر ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بندوں کے لیے یہ حکم صادر فرمایا کہ وہ اس سے خدا کی پناہ مانگیں اور ساتھ ہی بار بار ارشاد فرمایا کہ شیطان اولادِ آدم کا دشمن ہے اور شیطان کے اس اعلان کا بھی ذکر فرمایا۔

قَالَ رَبِّ إِنِّي أَخُو بَنِي
لَا زَيْنَةَ لِي فِي الْأَرْضِ
وَلَا آخِيَةَ لَهُمْ أَجْمَعِينَ۔

بولا اے میرے رب! قسم
اس بات کی کہ تو نے مجھے گمراہ
کیا میں ان (بندوں) کو نہ بین

میں ضرور بہلاوے دوں گا اور
میں ان کو سب کو بھٹکا کر رہوں گا۔

شیطان نے کہا کہ وہ سب کو دنیا کے ساز و سامان اور اس کی زینت
زینت کا دلدادہ بنا کر گمراہ کرے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسے تسلیم
بھی کرنا پڑا کہ "إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ الْمُخْلِصِينَ" (یہی
مگر ان میں تیرے چنے ہوئے بندے ہیں یعنی جنہیں تو نے اپنی توحید و
عبادت کے لیے چن لیا اور دین و آخرت کی فکر ان کے سینوں میں پیوست
کر دی ان میں شیطان کا دوسوہ اور اس کا فریب نہیں چلے گا۔ البتہ
دین و آخرت کی فکر سے بے نیاز، خدا اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم
کی اطاعت فرمانبرداری کے عملی جذبہ سے خالی اس کے ساتھ جہنم کا ایندھن
بنیں گے (معاذ اللہ)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کا قول نقل فرمایا۔ اس نے کہا:

لَا حَتَنِيكَ ذُرِّيَّتَهُ إِلَّا قَلِيلًا ۝ میں اولادِ آدم کو ضرور پیس ڈالوں گا
مگر تھوڑے سے (بنی اسرائیل ۶۲) یعنی میں اولادِ آدم کو گمراہ کر کے پیس
ڈالوں گا مگر تھوڑے سے، جنہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے بچالے اور
محفوظ رکھے۔ اور وہ اس کے خلوص والے بندے ہیں جو ہر کام اس کی رضا و
خوشنودی کے لیے کرتے ہیں جنہیں آخرت اور دین اس قدر عزیز ہے کہ
اس کے لیے تن من دھن کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ
اللہ تعالیٰ نے شیطان کے جواب میں ایسے بندوں کے لیے ارشاد فرمایا
إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ (بنی اسرائیل ۶۵) کہ بے شک
جو میرے بندے ہیں ان پر تیرا کچھ قابو نہیں اور مخلص بندے انبیاء کرام

اور ان کے عقیدت و احترام اور اطاعت گزار و وفا شعار مسلمان ہیں
جیسا کہ اوپر گزرا جن کی زندگی دین کے لیے ایثار و قربانی سے عبارت ہے
چنانچہ ایک حدیث میں ہے (مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی و ابن ماجہ)

یعنی ایک صحیح العقیدہ عالم دین ایک ہزار
عبادت گزاروں کی نسبت شیطان پر زیادہ سخت ہے۔ یعنی ایک صحیح العقیدہ
عالم دین کی بقا و زندگی شیطان کے لیے ایک ہزار عبادت گزار لوگوں کی زندگی
سے بڑھ کر تشویشناک اور پریشان کن ہوتی ہے کیونکہ عالم دین شیطان کے اغوار
(بہکانے) کو قبول نہیں کرتا بلکہ لوگوں کو تبلیغ کرتا ہے کہ وہ شیطان کے
کنے میں نہ آئیں جبکہ عبادت گزار صالح انسان شیطان کی گھاتوں سے اس
وقت تک محفوظ نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ صحیح العقیدہ عالم دین کی رہنمائی
میں نہ چلے (مرقاۃ شریف)

شیطان ایک شخص ہے جس کا جسم لطیف
ہے اور اسے مختلف شکلوں میں بدل سکنے
کی قدرت ہے اور یہ وہی شخص ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو
سجدہ نہ کیا۔ تکبر کا مرتکب ہوا اور کافر قرار پایا۔ جنات ہوں یا شیاطین
اسی طرح فرشتے سب کے سب اجسام لطیف ہیں جبکہ جنات اور فرشتے
نور سے پیدا کیے گئے سب کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی قدرت بخشی ہے
کہ وہ مختلف شکلوں میں بدل سکتے ہیں نیز ان میں عقل و فہم بھی ہے
اور وہ اس قدر قدرت و طاقت رکھتے ہیں کہ بڑے بڑے اور مشکل
مشکل کام تھوڑے سے وقت میں کر سکتے ہیں جس سے عقل انسانی دنگ
رہ جائے چنانچہ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ :-

انہا اجسام ہوائیہ قادرۃ علی
التشکل با اشکال مختلفۃ ولہا
عقول و افہام و قدرۃ علی اعمال
صعبۃ شاقۃ (تفسیر کبیر ج ۱ ص ۱۶)

جنات و شیاطین ایسے ہوائی (لطیف)
جسم والے اشخاص ہیں جنہیں مختلف
شکلوں کے اختیار کر لینے کی قدرت
ہے اور وہ عقل و فہم رکھتے ہیں

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

فان الشیاطین اجسام لطیفۃ
قادرۃ با قدر اللہ تعالیٰ علی کمال
المصرف ابتلاءً للبشر۔

شیاطین اجسام لطیفہ ہیں جو
اللہ تعالیٰ کے قدرت بخشے کے کمال تصرف
کی قدرت رکھتے ہیں بشر کی آزمائش
کے لیے (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ)

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۱۱)

(ج ۱ ص ۱۱)

شیطان کی تخلیق میں حکمت

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کی تخلیق میں حکمت ہے
”فِعَلُّ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُو عَنِ الْحِکْمَةِ“ محاورہ ہے کہ دانا کا کام
دانائی سے خالی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا اور اس کی زندگی،
آزمائش و امتحان کے لیے بنائی۔ قرآن میں ہے خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیَاةَ
لِيَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (المائد) ”کہ اللہ تعالیٰ نے موت و
زندگی کو پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کس کا عمل بہتر ہے“ اور
اس آزمائش کے لیے شیطان کو قیامت تک یعنی پہلی بار صور بھونکنے
جانے تک مہلت دی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ شیطان
نے کہا:

کہا مجھے مہلت دے اس دن تک
 کہ لوگ (اپنی قبروں سے) اٹھائے
 جائیں۔ فرمایا، تجھے مہلت ہے
 (پہلی بار صور پھونکے جانے تک)
 بولا، تو قسم اس کی کہ تو نے مجھے
 گمراہ کیا میں ضرورتیرے سیدھے راستے
 پر ان کی (تیرے بندوں کی) تاک میں
 بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے پاس
 آؤں گا ان کے آگے اور ان کے پیچھے
 اور ان کے داہنے اور ان کے بائیں
 سے (چاروں طرف سے ان کو گھیر کر
 سیدھے راستے سے روکوں گا) اور تو
 ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا
 فرمایا یہاں سے نکل جا، روکا گیا
 راندہ ہوا۔ ضرور جو ان میں سے تیرے
 کہنے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر
 دوں گا۔

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ
 يُبْعَثُونَ ه قَالَ إِنَّكَ
 مِنَ الْمُنظَرِينَ ه قَالَ
 فِيمَا أَعْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ
 لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ه
 ثُمَّ لَا يَسْتَنبِهُمْ مِنْ بَيْنِ
 أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
 وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ
 شَمَائِلِهِمْ ط وَلَا يُحِذُّهَا
 أَكْثَرُهُمْ شَاكِرِينَ ه
 قَالَ أَخْرُجْ مِنْهَا مَذْمُومًا
 مَذْحُورًا ط لَمَنْ تَبِعَكَ
 مِنْهُمْ لَا مَلَأْتِ جَهَنَّمَ
 مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ه

(الاعراف ۱۵ تا ۱۸)

شیطان نے کہا کہ تو اکثر بندوں کو شکر گزار نہ پائے گا۔ یوں نہ کہا کہ ”سب کو“
 شکر گزار نہ پائے گا کیونکہ انبیاء علیہم السلام شیطان کے شر سے معصوم اور
 ان کے خلوص و ایثار والے پیروکار محفوظ ہوتے ہیں اور حفاظت کا یہ

مطلب نہیں کہ ان سے کوئی خطا و لغزش یا گناہ ہی سرزد نہ ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نیکیاں ان کی خطاؤں پر غالب ہوں اور وہ اپنی خطا سے باخبر ہونے کے بعد اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ بالآخر اس پر نادم ہوتے اور توبہ کرتے ہیں نیز خطا و لغزش کا وقوع بھی ہر ایک سے ضروری نہیں بلکہ امکان بھی کافی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ و معصیت سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ یہاں امکان گناہ بھی نہیں ہوتا۔

شیطان پہلے تو دلوں میں خطرات و وسوسے (غلط خیالات) ڈالتا ہے پھر وہ خیالات اگر آئیں اور دل سے نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر دل سے نہ نکلیں بلکہ ٹھہر جائیں اور انسان انہیں دل میں لیے رہے تو اس پر خدا کے ہاں گرفت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَلَیْکِنْ یُوَاخِذُ کُمْ بِمَا کُنتُمْ تَعْمَلُونَ (بقرہ ۲۲۵) (ترجمہ) ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کیے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے سینے کے وسوسہ سے درگزر فرمایا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے (مشکوٰۃ ص ۱۸)

حضرت مولانا علی بن سلطان القاری مرقاۃ اور حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) لمعات میں فرماتے ہیں ”وہ خیالات جو انسان کو برائی کی ترغیب دیں و وسوسے اور جو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دیں الہام کہلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام حجت ہے جبکہ اولیاء اللہ کا الہام حجت نہیں اور اکثر فقہاء

محدثین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جس بُرے خیال کا عزم کرے اس پر اس کا
مواخذہ ہوگا۔

روشن ایمان

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے
اور سوال کیا کہ ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں جن کا اظہار نہیں
کر سکتے۔ ہمارا کوئی (بھائی) بھی ان خیالات کو زبان پر لانے کو بڑی چیز سمجھتا
ہے آپ نے پوچھا کہ کیا تم یہ بات پاتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہاں
آپ نے فرمایا یہ روشن ایمان ہے (مشکوٰۃ ص ۱۸) یعنی ایمان نہ ہوتا تو
تم ان کلمات کو زبان پر لاتے اب جبکہ زبان پر نہیں لاتے بلکہ زبان
پر لانے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ صریح ایمان اور روشن یقین ہے

شیطانی وسوسہ

وسوسہ کی تعریف کرتے ہوئے امام راعب اصفہانی مفردات میں
لکھتے ہیں » الوسوسة الخطرة الردیة (ص ۵۲۲) کہ وسوسہ بُرے
خیال کو کہتے ہیں اور لسان العرب میں ہے حدیث النفس والافکار
(ج ۶ صف ۲۰۰) کہ وسوسہ نفسانی خیال و افکار کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں
وسوسہ کا ایک معنی دل میں خلط ملط نوعیت کی باتوں کا آنا بھی ہے جن سے
دل و دماغ پر حیرت و دہشت سی چھا جائے۔ لیکن جب وسوسہ کی
نسبت شیطان کی طرف کی جائے گی تو اس سے وہ خیالات مراد ہوں
گے جن سے انسان کا عمل صالح کا جذبہ ماند پڑ جائے یا جن کا قرآن و سنت

مطلب نہیں کہ ان سے کوئی خطا و لغزش یا گناہ ہی سرزد نہ ہو بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی نیکیاں ان کی خطاؤں پر غالب ہوں اور وہ اپنی خطا سے باخبر ہونے کے بعد اس پر قائم نہیں رہتے بلکہ بالآخر اس پر نادم ہوتے اور توبہ کرتے ہیں نیز خطا و لغزش کا وقوع بھی ہر ایک سے ضروری نہیں بلکہ امکان بھی کافی ہے جبکہ انبیاء علیہم السلام سے گناہ و معصیت سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ یہاں امکان گناہ بھی نہیں ہوتا۔

شیطان پہلے تو دلوں میں نخطرات و وسوسے (غلط خیالات) ڈالتا ہے پھر وہ خیالات اگر آئیں اور دل سے نکل جائیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور اگر دل سے نہ نکلیں بلکہ ٹھہر جائیں اور انسان انہیں دل میں لیے رہے تو اس پر خدا کے ہاں گرفت ہوگی۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے وَلَیْکِنْ یُؤَخِّذُ کُمْ بِمَا کَسَبْتُمْ فَلَؤَ لَئِنْ لَمْ یَنْزِلْ عَلَیْکُمْ لَیْلٌ مِّنَ السَّمَاءِ بِسُحُوبٍ مُّحْمَلٍ مِّنْ سِجِّینَ (ترجمہ) ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو کام تمہارے دلوں نے کیے صحیح بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کے سینے کے وسوسہ سے درگزر فرمایا جب تک کہ وہ اس پر عمل نہ کرے یا زبان پر نہ لائے (مشکوٰۃ ص ۱۸)

حضرت مولانا علی بن سلطان القاری مرقاة اور حضرت مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی (رحمہما اللہ تعالیٰ) لمعات میں فرماتے ہیں ”وہ خیالات جو انسان کو برائی کی ترغیب دیں و وسوسے اور جو نیکی اور بھلائی کی ترغیب دیں الہام کہلاتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا الہام حجت ہے جبکہ اولیاء اللہ کا الہام حجت نہیں اور اکثر فقہاء

محدثین کا مذہب یہ ہے کہ انسان جس بُرے خیال کا عزم کرے اس پر اس کا مواخذہ ہوگا۔

روشن ایمان

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سوال کیا کہ ہم اپنے دلوں میں کچھ ایسے خیالات پاتے ہیں جن کا اظہار نہیں کر سکتے۔ ہمارا کوئی (بھائی) بھی ان خیالات کو زبان پر لانے کو بڑی چیز سمجھتا ہے آپ نے پوچھا کہ کیا تم یہ بات پاتے ہو؟ انہوں نے عرض کی کہ ہاں آپ نے فرمایا یہ روشن ایمان ہے (مشکوٰۃ ص ۱۸) یعنی ایمان نہ ہوتا تو تم ان کلمات کو زبان پر لاتے اب جبکہ زبان پر نہیں لاتے بلکہ زبان پر لانے کو بڑی چیز سمجھتے ہیں یہ صریح ایمان اور روشن یقین ہے

شیطانی وسوسہ

وسوسہ کی تعریف کرتے ہوئے امام راعب اصفہانی مفردات میں لکھتے ہیں » الوسوسة الخطرة الردیة (ص ۵۲۲) کہ وسوسہ بُرے خیال کو کہتے ہیں اور لسان العرب میں ہے حدیث النفس والافکار (ج ۶ صف ۲۰۰) کہ وسوسہ نفسانی خیال و افکار کو کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں وسوسہ کا ایک معنی دل میں خلط ملط نوعیت کی باتوں کا آنا بھی ہے جن سے دل و دماغ پر حیرت و دہشت سی چھا جائے۔ لیکن جب وسوسہ کی نسبت شیطان کی طرف کی جائے گی تو اس سے وہ خیالات مراد ہوں گے جن سے انسان کا عمل صالح کا جذبہ ماند پڑ جائے یا جن کا قرآن و سنت

اجماع امت کے ساتھ ٹکراؤ ہو۔ شیطان دوسوہ کی ابتداء اللہ تعالیٰ پر ایمان کے عقیدے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اطاعت کے جذبہ کو کمزور کرنے سے ہوتی ہے چنانچہ صحیح مسلم بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان تم میں سے ایک کے پاس آتا ہے تو کہتا ہے اسے کس نے پیدا کیا (مثلاً آسمان اور زمین وغیرہ کے بارے میں سوال پیدا کرتا ہے) اسے کس نے پیدا کیا۔ یہاں تک کہ (دل میں یہ سوال بھی ڈالتا ہے) کہتا ہے تیرے رب کو کس نے پیدا کیا؟ پس جب وہ آپ کو پہنچے (یعنی دل میں یہ سوال آئے تو اسے شیطان کا دوسوہ سمجھتے ہوئے) پس اللہ کی پناہ مانگئے اور اس خیال سے باز رہے۔ مسلم بخاری کی ایک اور حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لوگ ہمیشہ ایک دوسرے سے پوچھتے رہیں گے یہاں تک کہ (یہ بھی) سوال کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا اور اللہ تعالیٰ کو کس نے پیدا کیا؟ پس جو شخص اس (سوال کے قسم) میں سے کچھ (دل میں محسوس کرے یا) پائے تو کہے "اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ" کہ میں ایمان لایا اللہ اور اس کے رسولوں پر (مشکوٰۃ ص ۱۸) اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں بتایا گیا کہ شیطان، انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بارے میں شک و شبہ اور تردد پیدا کرنا چاہتا ہے اس لیے اگر کبھی اور کسی وقت بھی اس قسم کا سوال پیدا ہوں اور دل میں ایسے خیالات آنے لگیں تو فوراً استعاذہ کریں "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" پڑھ کر شیطان کے دوسوہ کو دور کر دیا کریں۔

انسان کے دوستی

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس کے ساتھ اس کا ایک جن ساتھی اور فرشتہ ساتھی مقرر نہ کیا گیا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا اور آپ، یا رسول اللہ؟ فرمایا میں بھی

لیکن مجھے اللہ تعالیٰ نے اس پر مدد دی پس وہ مسلمان ہو گیا تو وہ مجھے بھلائی کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۸)

یعنی ہر انسان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ساتھی فرشتہ ہے اور ایک ساتھی شیطان ہے تو جو فرشتہ ساتھی ہے وہ انسان کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور اس کے دل میں اچھے اچھے خیالات ڈالتا ہے اور جو شیطان ساتھی ہے وہ انسان کے دل میں بُرے خیالات ڈالتا اور اسے برائی کی طرف مائل کرتا ہے۔ اس کا نام ”اَھْمَٰمَنْ“ اور ”وَسْوَاسٌ“ ہے امام تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث مذکور میں واقع لفظ ”فَاَسْلَمَ“ اسلام سے ماخوذ ”فعل ماضی بھی ہو سکتا ہے جس کا معنی ہو گا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور یہ ”سلامۃ“ سے ماخوذ فعل مضارع واحد متکلم بھی ہو سکتا ہے جس کا یہ معنی ہو گا کہ میں سلامت رہتا ہوں۔ بعض اہل علم اس کے واحد متکلم ہونے (میہم کے پیش کے ساتھ پڑھنے) کو ترجیح دیتے ہیں کیونکہ شیطان کے مسلمان ہونے کا کوئی امکان نہیں لہذا اس لفظ فعل ماضی قرار دینے کے بجائے فعل مضارع واحد متکلم قرار دینا چاہیے لیکن جب صحیح روایت میں اس کا فعل ماضی ہونا ثابت ہے تو اس کے مقابلہ میں

یہ قیاس کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ شیطان کا مسلمان ہونا منظور و ممکن نہیں مگر راقم غلام سرور قادری عرض کرتا ہے۔ یہ قیاس جب درست ہوتا جب اس شیطان سے وہ بڑا شیطان جسے قرآن میں ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا، مراد ہوتا۔ یہاں وہ مراد ہی نہیں بلکہ اس سے مراد اس کی ذریت و اولاد میں سے کوئی شیطان ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقرر کیا گیا اور وہ آپ کی عصمت اور آپ کے نورِ نبوت کی برکت سے مسلمان ہو گیا اور یہ بات بعید از قیاس نہیں کیونکہ نورِ نبوت ہر شے پر غالب ہے۔ اور صحیح مسلم میں ابلیس کے بیٹے حامد بن ابلیس کا مسلمان ہونا بھی ثابت ہے جس میں ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے ہابیل کے قتل کیے جانے کے وقت وہاں موجود تھا اور یہ کہ وہ حضرت نوح علیہ السلام سے بھی ملا تھا اور ان کے بعد نبیوں سے بھی۔ اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا اور آپ سے سوال کیا کہ آپ سے قرآن کریم کی تعلیم دیں آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سلام جواب دے کر اسے سورہ واقعہ ورسلات و عم یتسار لون اذا الشمس کورت، معوذتین اور قل صواللہ احد کی تعلیم دی

شیطانی قوت

جیسا کہ ہم نے اوپر عرض کیا تھا کہ شیطان کی تخلیق میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو آزمایا جائے اور اس آزمائش کے لیے اس کو مہلت دی گئی اور ساتھ ہی اسے قوت و طاقت بھی بخشی گئی اس کی طاقت و قوت کا اندازہ درج ذیل حدیث سے لگایا جاسکتا ہے۔ صحیح بخاری و مسلم میں حضرت انس

رضی اللہ عنہ لے مروی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
 إِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنَ الْإِنْسَانِ
 مَجْرَى الدَّمِ۔
 بے شک شیطان انسان سے اس
 کے خون کی طرح گردش کرتا ہے۔

مشکوٰۃ ص ۱۸

لفظ "مجری" مصدر میمی بھی ہو سکتا ہے اس لحاظ سے حدیث کا معنی
 ہوگا کہ شیطان انسان کے اندر ایسے چلتا ہے جیسے خون چلتا ہے اور یہ طرف
 مکان بھی ہو سکتا ہے اس لحاظ سے معنی ہوگا کہ شیطان انسان کے اندر اس
 کے خون کی جگہ دوڑتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو استدراجی قوت بخشی
 ہے جس کی بنا پر وہ انسان کے اندر داخل ہو جاتا ہے اور اسے گمراہ کرنے کی عام
 کوششیں عمل میں لاتا ہے اور یہاں اگرچہ لفظ "الانسان" عام ہے مگر یہ
 عام مخصوص عند البعض ہے انبیاء اکرام اور وہ صحیح النقیذہ صالحین جن کے دلوں
 میں ایمان اور حسن عمل کی حلاوت رس بس چکی، جو ظاہر و باطن کے اعتبار سے
 مکمل طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و غلامی میں ڈھل چکے جن
 کے سینے معرفت خداوندی اور محبت مصطفوی کے خزینے بن چکے وہ بھی
 اس سے مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ قرآن و سنت کی روشنی میں اس سے قبل ہم
 بیان کر چکے ایسے لوگ بھی اسل کے داؤ اور فریب سے محفوظ رہتے ہیں۔
 کیونکہ وہ شیطان و نفس کی گھاتوں سے خوب باخبر ہیں اور اس کے مکر میں نہیں
 آتے جیسا کہ عوث الاعوث، قطب الاقطاب امام اہلسنت اعلیٰ حضرت
 عظیم البرکتہ امام احمد رضا خاں رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سے
 رضا نفس و ستمن ہے دم میں نہ آنا
 کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے۔

سوال : شیطان اور انسان میں درحقیقت کوئی مناسبت نہیں کیونکہ شیطان اور انسان دو الگ الگ نوع ہیں ان میں کوئی قدر مشترک نہیں جبکہ ہدایت دینے اور گمراہ کرنے کے لیے مادی (ہدایت دینے والا) اور مہدی (جسے ہدایت دی گئی ہو) دونوں کے درمیان مناسبت کا ہونا ضروری ہے لیکن اس کے باوجود کہ شیطان انسان کو گمراہ کرتا ہے دونوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے ایسی صورت میں وہ انسان کو کیسے گمراہ کر لیتا ہے۔

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان ، انسان کو اس کے نفسِ امارہ کے واسطے سے گمراہ کرتا ہے چنانچہ مرقاة شریف میں : بواسطۃ نفسہ الامارۃ بالسوء الناشئ قواہا من الدم

یعنی شیطان انسان کو اس کے اس نفس کے ذریعے گمراہ کرتا ہے جو اسے برائی کا حکم دیتا ہے جس کی قوتیں انسان کے خون سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا کہ شیطان فارغ ہو گیا اور تم مشغول ہو اور وہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم اسے نہیں دیکھتے اور تم شیطان کو بھولے ہوئے ہو وہ تمہیں نہیں بولتا اور تمہارے نفس کی طرف سے شیطان کے لیے مدد ہے یعنی نفس شیطان کے وسوسہ کو قبول کر کے انسان کو گمراہی میں ڈالتا ہے۔

وجود جنات

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جن یا جنات کا وجود ہے جن جنات کے موجود ہونے پر قرآن کریم کی متعدد آیات شاہد ہیں۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ
(سورہ ذاریت)

کہ میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

اسی طرح اور بھی کئی ایک مقامات پر ہے۔ سورہ بقرہ میں ہے
وَاتَّبِعُوا مَا آتَاكُمُ الشَّيَاطِينُ
عَلَىٰ مَلَكٍ سَكِيمٍ
(سورہ بقرہ)

کہ لوگوں نے اس کی اتباع کی جو سیلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے تھے۔

خود قرآن کی ایک سورہ مبارکہ ”جن“ بھی جنوں کے تذکرہ پر مشتمل ہے نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَإِذَا صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفْرًا مِّنَ الْجِنَّ يَشْتَعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ وَأُحْضِرُوا نُصُورًا فَلَمَّا قَضَىٰ وَكَلَّمَا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ مُنذِرِينَ
اور جبکہ ہم نے تمہاری طرف کتنے جن پھیرے قرآن کان لگا کر سنتے، پھر جب وہاں حاضر ہوئے۔ آپس میں بولے۔ خاموش رہو۔ پھر جب پڑھنا ہو چکا اپنی قوم کی طرف ڈر سناتے پلٹے۔

(سورہ احقاف ۲۹)

یہ آیت کریمہ میں جنوں کے وجود پر نص ہے اور اس بات پر

کہ انہوں نے قرآن کریم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور واپس جا کر اپنی قوم جن کو تبلیغ کی اور خدا کے عذاب سے ڈرایا اسی طرح اور بھی بہت سی آیات ہیں تقریباً سارے قرآن میں اٹھارہ انیس جگہ جنوں کا ذکر ہوا ہے اسی طرح حدیثوں میں جنوں کے تذکرے موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا ایک جن کو پکڑنا اور اس کا آپ سے معافی مانگنا اور آیت الکرسی کے بارے میں بتانا مشہور واقعہ ہے اور قرآن کریم میں اس بات کی وضاحت بھی موجود ہے کہ جن آگ سے پیدا ہوئے ہیں۔

مکلفین

اللہ تعالیٰ کی عبادت کا جنہیں حکم ہے وہ چار گروہ ہیں۔ فرشتے، انسان جن اور شیطان۔ جن اور شیطان کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ یہ دو مختلف الجنس مخلوق ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ ان کی حقیقت و ماہیت ایک ہی ہے البتہ جو نیک ہیں وہ جن کہلاتے ہیں اور جو بُرے ہیں وہ شیطان کہلاتے ہیں۔ اور فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاکیزہ مخلوق ہیں ان کی غذا عبادت الہی ہے یعنی وہ ہمہ وقت عبادت الہیہ میں مصروف رہتے ہیں جبکہ جن و شیاطین مادی قسم کی چیزیں کھاتے ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ تمہاری غذا میں سے جو تم بڑیاں پھینکتے ہو وہ تمہارے بھائی جنوں کی خوراک ہیں لہذا بڑیوں سے استنجانہ کیا کرو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں سے فرمایا لَكُمْ عَظْمٌ ذَكَرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، کہ تمہارے لیے وہ ہڈی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا مسلمان جن یہی کھاتے ہیں اور کفار جن ناپاک اور مرے ہوئے جانوروں

کی ہڈیاں کھاتے ہیں (فتاویٰ حدیثیہ ص ۶۶)
اور ان کے بچے بھی پیدا ہوتے ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اس کی
اولاد کا تذکرہ ہے۔

شیطان کے وسوسہ کی کیفیت

شیطان کے وسوسہ ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ وہ انسان کے باطن
میں گھس جاتا ہے اور حجبہ قلب یعنی وسط قلب میں اپنا سر رکھ دیتا ہے
اور اس کی طرف (نفس کے توسط سے) وسوسہ ڈالتا ہے چنانچہ ایک حدیث
میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بے شک شیطان خون کی جگہ چلتا
(گردش کرتا ہے خبردار، اس
کے راستوں کو بھوک کے ذریعے
تنگ کرو۔

بِسَالِ الْجُوعِ -

(مفاتیح الغیب ج ۱ ص ۸۳)

یعنی کم کھاؤ۔ بھوک خواہش نفس کو کمزور کرتی ہے اور اس کے کمزور
ہونے سے نفس کمزور ہوتا ہے اور اس کے کمزور ہونے سے شیطان کا وسوسہ
اثر انداز نہیں ہوتا۔ اس لیے صوفیہ کرام زیر تربیت مریدین کو تین باتوں
کی تربیت دیتے اور تلقین فرماتے ہیں (۱) کھانا تھوڑا کھاؤ
(۲) کلام تھوڑا کرو یعنی ضرورت سے زیادہ نہ بولو (۳) یند تھوڑی کرو
ان تینوں میں سے پہلی بنیادی چیز ہے۔ یعنی تھوڑا کھانا۔ جب تک
بھوک نہ لگے نہ کھائیں۔ ابھی کچھ بھوک باقی ہو کھانا چھوڑ دیں۔ صوفیہ

کے نزدیک پیٹ بھر کر کھانے والا نورِ باطن سے محروم ہو جاتا ہے اور پیٹ کو قدرے خالی رکھنے والا اپنے سینے میں عبادت کا نور محسوس کرتا ہے چنانچہ مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

چوں خوری یک لقمہ از نانِ نور

خاک ریزی بر سرِ نانِ تنور

یعنی جب تم نور کی روٹی کا ایک لقمہ کھاؤ گے تنور کی روٹی کے سر پر خاک ڈالو گے۔ یعنی جب سینے میں نور محسوس ہوگا تو تمہیں وہ لطف و سکون نصیب ہوگا جس کا بیان نہیں اور تنور کی روٹی سے کوئی دلچسپی نہیں رہے گی۔ تنور کی روٹی ضرورت کی حد تک رہے گی جسے قوت لایموت کہتے ہیں۔ یعنی اس قدر کھانا جس سے زندہ رہیں اس لیے روزے کو حدیث میں صحت و تندرستی کا باعث قرار دیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں «صُومُوا تَصِحُّوا»، کہ روزہ رکھو تندرست ہو جاؤ۔ زیادہ کھانے سے غفلت پیدا ہوتی ہے۔ نفس موٹا ہوتا ہے اور سرکشی پر اترتا ہے ناجائز خواہشات کی طرف مائل ہوتا ہے۔ شیطان کو دوسوسہ کا موقع میسر آتا ہے اور وہ انسان پر سوار ہو جاتا ہے۔ شیطان اور نفس کے شر سے بچنے کا پہلا ذریعہ پر خوری یعنی پیٹ بھر کر کھانے سے پرہیز کرنا ہے اس سے عالم بالا یعنی انوار کے جہان کے دروازے کھلتے اور غیب کی باتیں منکشف ہونے لگتی ہیں چنانچہ حدیث شریف میں ہے

اگر شیاطین انسانوں کے دلوں

پر نہ منڈلائیں تو وہ آسمانوں کی

لَوْلَا اَنَّ الشَّيَاطِينَ

يَحْشُونَ عَلٰى قُلُوبِ بَنِي

۶۹
ادَمَ لَنظَرُوا إِلَى مَلَائِكَةِ السَّمَاوَاتِ - بادشاہی کا نظارہ کریں۔
(مفتاح الغیبہ ص ۱۲)

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو حدیث میں ہے کہ شیطان انسان کے اندر خون کی جگہ گردش کرتا ہے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جبکہ شیطان آگ سے پیدا ہوا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اس نے اقرار کرتے ہوئے کہا

”خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ“ (سورہ اعراف ۱۲)

کہ اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا۔ اور آگ سخت گرم ہے اگر شیطان، انسان کے جسم میں گھس جاتا ہے تو انسان کو جل جانا چاہیے یا کم از کم اپنے اندر غیر معمولی گرمی محسوس کرنا چاہیے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا یہی حال جنات کا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوئے مگر بعض انسانوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ان کو دورے پڑتے ہیں مگر کوئی حرارت اور گرمی نہیں ہوتی؟

اس کا ایک جواب یہ ہے کہ آگ کی تاثیر اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص آگ میں داخل ہو لیکن اللہ تعالیٰ اس کے لیے آگ کی تاثیر کو ناکارہ کر دے اور اسے آگ نہ جلانے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے اللہ تعالیٰ نے آگ کو ٹھنڈا کر دیا اور اس کی تاثیر کو ناکارہ فرما دیا یہاں بھی یہی صورت ہے کہ انسانوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے شیاطین و جنات کو انسانوں کے جسم میں داخل ہونے کی قدرت تو دیدی مگر ان کی جلانے والی تاثیر کو انسانوں کے حق میں ناکارہ فرما دیا۔ اور دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کا آگ سے پیدا ہونا ایسا ہے جیسا انسان کا مٹی سے پیدا ہونا تو انسان مٹی سے پیدا ہونے کے باوجود مٹی نہیں ہے یوں ہی جنات

شیاطین آگ سے پیدا ہونے کے باوجود آگ نہیں ہیں۔

کیا جنات و شیاطین غیب جانتے ہیں؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں یا اعتقاد رکھتے ہیں کہ جنات و شیاطین غیب جانتے ہیں اس لیے جب کسی پر کوئی جنات کا دورہ پڑتا ہے تو اس سے غیب کی باتیں پوچھنا شروع کر دیتے ہیں لیکن یہ خیال و عقیدہ غلط ہے اور قرآن و سنت کے خلاف۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ
مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُحِيطِ -
(السبا: ۴۱)

اگر جنات غیب جانتے ہوتے
تو اس خوارمی کے عذاب میں نہ پھیرے
ہوتے۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین لکھتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر مکمل کر لی تھی اور جنوں کو اس کام پر لگایا تھا۔ ابھی رنگ و روغن کا کام باقی تھا کہ آپ کی موت کا وقت قریب آگیا تو آپ نے دعا کی کہ یا اللہ مسجد کی تکمیل (رنگ و روغن) کا کام باقی ہے۔ آپ کو حکم ہوا کہ نماز کی نیت باندھ لیں۔ چنانچہ آپ نماز میں کھڑے ہو گئے لاکھٹی کی ٹیک لگائی اسی حالت میں روح شریف قبض ہو گئی اور آپ لاکھٹی کے سہارے ایک سال تک کھڑے رہے۔ جنات کو آپ کی موت کا شک نہ ہوا کیونکہ آپ پہلے بھی کئی کئی دن تک نماز پڑھتے اور قیام میں رہتے تھے اس لیے وہ برابر کام میں لگے رہے ایک سال کے بعد دیکھنے آپ کی لاکھٹی کھالی جس سے لاکھٹی گر گئی اور آپ کا جسم مبارک بھی زمین پر آگیا۔ تب جنات کو آپ کی موت کا علم ہوا اور وہ بھاگ گئے اس وقت تعمیر و رنگ و روغن

کا کام بھی مکمل ہو چکا تھا۔

معلوم ہوا کہ جنات اور شیاطین غیب کا علم نہیں جانتے اور قرآن میں واضح فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے نبیوں اور رسولوں کو غیب کا علم عطا کرتا ہے۔

نبیوں اور رسولوں کو علم غیب دیا گیا

امت کا عقیدہ ہے کہ نبیوں اور رسولوں کو علم غیب دیا گیا چنانچہ قرآن مجید میں ہے

مَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ
اللہ کی شان یہ نہیں کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے بلکہ اللہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

(سورہ آل عمران ۱۶۹)

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے علم غیب عطا کیا۔ دوسری جگہ فرمایا کہ

فَلَا يُظهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ
وہ (اللہ تعالیٰ) اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

(سورہ جن ۲۴)

نیز اہلسنت کا یہ عقیدہ بھی ہے کہ رسولوں کے واسطے سے اللہ تعالیٰ

اولیا کرام کو بھی غیب کی باتوں کی اطلاع دیتا ہے اور ان پر غیب کے دروازے کھول دیتا ہے اور وہ غیب کو معلوم کر لیتے ہیں اس سلسلے میں اولیا کرام کے واقعات کہ انہوں نے غیب کی خبریں دیں حد تو اتر کر پہنچتے ہیں اس کا منکر گمراہ ہی ہو سکتا ہے۔

کیا جنت کو تابع کیا جاسکتا ہے؟

بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ کیا جنات کو تابع کیا جاسکتا ہے؟ اس کا جواب اثبات میں ہے یعنی تابع کیا جاسکتا ہے بعض ایسے وظائف ہیں کہ ان پر ان کے مخصوص طریقہ سے عمل کیا جائے تو وہ تابع ہو جاتے ہیں اور ان سے کام بھی لیا جاسکتا ہے۔ بہت سے عاملین کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں کہ انہوں نے اپنے عمل سے جنات کو تابع کیا۔ ایک صاحب کا واقعہ میرے دوست مولانا مفتی غلام مصطفیٰ رضوی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے ہوا میں ہاتھ بڑھایا تو کسی قسم کے پھل ان کے ہاتھ میں آگئے اور انہوں نے ان کے سامنے کئی قسم کے کھانے منگوا کر ان کے سامنے رکھے اور وہ حیرت میں پڑ گئے۔ آخر انہوں نے خود ہی بتایا کہ انہوں نے کئی ایک سال تک کچھ وظائف کیے جس سے جن ان کے تابع ہو گئے اسی طرح راقم ملتان کے علاقہ کے ایک صاحب سے بلا جو جنات کو بھیج کر کئی ایک باتیں معلوم کر لیتے تھے مثلاً ان کے پاس کوئی شخص جاتا تا کہ اپنے مریض کے بارے میں پوچھے وہ اس کا نام و پتہ پوچھتے۔ اس دوران جن چلا جاتا اور اس کے مریض کی حالت و کیفیت دیکھ کر آ جاتا اور اس عامل کو بتا دیتا لیکن سائل کو اس حقیقت کا علم نہ ہوتا تو عامل اس کے مریض کا نام صورت حلیہ اور

دیگر کو الٹ بتا دیتا۔ جس سے سالان حیرت میں پڑ جاتے۔ راقم نے اس عامل سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس نے وظیفہ کے ذریعے جن کو تابع کیا ہے مگر شریعت میں ایسا کرنا منع ہے کیونکہ اس سے جنوں کو غیر فطری طور پر تابع کرنے سے ان کی آزادی کا حق مجروح ہوتا ہے جس سے ان کی حق تلفی ہوتی ہے اور بعض اوقات وہ موقع پا کر عامل کو نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں بلکہ پہنچاتے ہیں۔ اس لیے علماء دین اور اصحاب شریعت ایسی لغویات کی طرف توجہ نہیں فرماتے۔ بلکہ اسے باعث گناہ سمجھتے اور اس کی اجازت نہیں دیتے البتہ ایسے وظائف اور تعویذات ضرور ہیں کہ ان کے کرنے سے جنات کے شر سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے اور بعض علماء دین کے واقعات میں راقم نے پڑھا ہے کہ ان سے جنات تعلیم بھی حاصل کرتے تھے امام غزالی علیہ الرحمۃ کے پاس بھی کچھ جن پڑھتے تھے امام غزالی کا جن کے ذریعے علامہ زمخشری کی تفسیر کا منگوانا پھر اسے جنات سے متعلق ایک مسئلہ کا قائل کرنا مشہور واقعہ ہے۔

(۵) استعاذہ کے اسباب و انواع

استعاذہ کا پانچواں رکن یا استعاذہ کے اجزاء ترکیبہ میں سے پانچواں جز، استعاذہ کے اسباب ہیں اور ساتھ ہی استعاذہ کے انواع اقسام کا تذکرہ بھی ہوگا۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ ہم اس حقیقت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ انسان کی ضروریات و حاجات لامحدود ہیں۔ کوئی بھلائی ایسی نہیں جس کے حصول کا انسان محتاج نہ ہو۔ اور کوئی شر یا برائی ایسی نہیں کہ

کہ جس سے بچنے اور دور رہنے کا انسان غرض مند نہ ہو۔ پس جب انسان
 "أَعُوذُ بِاللَّهِ" (میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہتا ہے تو وہ ہر قسم کے شر سے خواہ
 جسمانی ہو یا روحانی، کنارہ کشی چاہتا ہے اور انہیں اپنے آپ سے دفع
 کرنا اور دور رکھنا چاہتا ہے لیکن ہم ان تمام شرور اور خرابیوں کی بنیادوں کا تذکرہ
 کرتے ہیں جو فسادِ عقیدہ کی بنیاد ہیں

جن شرور سے پناہ مانگی جاتی ہے ان کی دو قسمیں ہیں

النَّانُ "أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ
 الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ"
 کہہ کہ جن شرور سے شیطان پناہ مانگتا
 ہے ان کی دو قسمیں ہیں

ایک وہ شرور اور خرابیاں جن کا عقائد یا اعتقادات سے تعلق ہے اور اعتقادات
 یا عقائد کا تعلق دل سے ہے اور دوسرے وہ شرور اور وہ خرابیاں ہیں جن کا
 تعلق انسان کے عمل سے ہے جو انسان کے جسم یا بدن کے ذریعے وجود میں آتی
 ہیں۔ اب ہم پہلے ان شرور کا تذکرہ کرتے ہیں جن کا تعلق انسان کے عقیدہ سے
 ہے اس لیے پہلے عقیدہ کی تعریف بھی کرنا ہوگی تاکہ قارئین کو اس سے متعلقہ
 حقائق کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

عقیدہ کی تعریف اور اس کی قسمیں

لفظ عقیدہ عَقْدٌ يَعْقِدُ (ض) عَقْدًا، سے ماخوذ ہے جس
 کے معنی گرہ لگانے کے ہیں اور "عُقْدَةٌ" گرہ کو کہتے ہیں اور عَقْدٌ "عہد
 کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے أَوْفُوا بِالْعُقُودِ۔

یعنی وعدے پورے کرو یعنی انسان اگر کسی سے جائز یا اچھی بات کا وعدہ
 کرے تو اس کو چاہیے کہ اسے پورا کرے۔ اور عَقْدٌ کے معنی گلے کے ہار کے ہیں

اور اصطلاح شریعت میں عقیدہ اس بات کو کہتے ہیں جس کی دل سے تصدیق
کی جائے۔ نیز اس میں ہے کہ

العقائد جمع عقیدة وروی
القضية التي يصدقها
بها (نبراس ص ۱۳)
عقائد، عقیدہ کی جمع ہے اور عقیدہ
اس بات کو کہتے ہیں جس کی تصدیق
کی جائے۔

اور ملا احمد شرح عقائد میں ہے کہ

العقائد المسائل التي يقصد
بها نفس الاعتقاد۔
عقائد وہ مسائل ہیں جن سے
محض اعتقاد مقصود ہے۔

یعنی ان مسائل کا تعلق عمل سے نہیں ہوتا بلکہ اعتقاد دل کی تصدیق اور
دل کے یقین سے ہوتا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت

عقیدہ نہایت ہی اہم چیز ہے جب تک عقیدہ و ایمان درست نہ
ہوگا تب تک عمل قبول نہ ہوگا یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی
تعلیم سے بھی پہلے عقیدہ و ایمان کی تعلیم دیتے تھے چنانچہ سنن ابن ماجہ
میں ہے حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

كنا مع النبي صلى الله عليه
وسلم ونحن فتيان حذورة
فتعلمنا الايمان قبل ان نتعلم
القرآن ثم تعلمنا القرآن فازدونا
بها ايماناً (سنن ابن ماجہ ص ۱۳)
ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے
اور ہم طاقتور جوان تھے تو ہم نے
ایمان و عقیدہ سیکھا اس سے پہلے
کہ ہم قرآن سیکھیں پھر ہم نے قرآن
سیکھا تو اس سے ہمارا ایمان زیادہ ہوا۔

اس حدیث پر شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۲۹۵ھ
 ”انجام الحاجہ“ میں لکھتے ہیں کہ :-

استفید منہ ان تعلم علم
 العقائد قبل تعلم الفکر
 والقرآن -
 اس حدیث سے یہ فائدہ ہوا کہ
 عقائد کا سیکھنا ، فقہ اور قرآن
 کے سیکھنے سے پہلے ہے
 (صفحہ ۷ حاشیہ نمبر ۶)

محدث دہلوی نے اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ انسان کو چاہیے کہ
 قرآن اور فقہ کے علم سے پہلے عقیدہ و ایمان کا علم سیکھے۔ عام پڑھے لکھے
 اردو خواں حضرات کے لیے ”بہار شریعت“ کا پہلا حصہ مصنف حکیم الامت
 قطب الاقطاب امام الفقہاء والمحدثین سیدنا و مولانا امام احمد رضا
 محدث بریلوی علیہ الرحمۃ علیہ متوفی ۱۳۲ھ کی تصدیق شدہ ہے۔ عقائد
 اہلسنت میں اردو زبان میں اس سے جامع اور بہتر کوئی کتاب نہیں۔

عقائد کی دو قسمیں

عقائد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جسے محض عقل سے ثابت نہیں
 کیا سکتا بلکہ اس کا ثبوت قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پر موقوف ہے
 جیسے قبر کا عذاب و ثواب ، حوض کوثر اور پل جسے الفاظ عوام میں ”پل صراط“
 کہتے ہیں اور شفاعت اور عقائد دوسری وہ قسم ہے جسے محض عقل سے ثابت
 کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہستی باری تعالیٰ ، اس کی وحدانیت ، اس کا علم
 اور اس کی قدرت اور جہان کا حادث و فانی ہونا۔ عقائد کی یہ قسم اگرچہ
 اثبات کی حیثیت سے قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پر موقوف نہیں ہے تاہم
 معتبر سوچنے کی حیثیت سے وہ قرآن و سنت کی نصوص و عبارات پر موقوف ہے۔

کیونکہ وہ عقلی مسائل جن کے حق ہونے کی شہادت شریعت نہیں دیتی وہ عقائد میں معتبر نہیں (نبراس)

عقائد قطعیہ و ظنیہ

پھر عقائد کی دو قسمیں

پھر عقائد کی یا مسائل اعتقادیہ کی دو قسمیں ہیں ایک قسم قطعی ہے جس میں شرعی طور پر یقین کا حاصل کرنا ضروری ہے یعنی ان پر یقین لانا از حد ضروری ہے ان عقائد میں ہلکا سا شک بھی کفر قرار پایا ہے یہ عقائد قطعیہ ہیں جیسے وجود باری تعالیٰ اور اس کی وحدانیت اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و خاتمیت و دیگر ضروریات دین اور عقائد کی دوسری قسم ظنی ہے جس میں یقین حاصل کرنا ممکن نہیں بلکہ وہ ظن کی حد تک عقائد کا حصہ ہیں۔ جیسے انبیاء و رسل کا فرشتوں سے افضل ہونا کہ یہ قطعی نہیں جس کا انکار کفر ہو بلکہ یہ ظنی ہے اس کا منکر گمراہ ہے کافر نہیں۔ ایسے ظنی مسائل میں ظن کی اتباع جائز ہے کیونکہ متکلمین (ماہرین علم و عقائد) یہ اتفاق اس قسم کے عقائد کو کتب عقائد و کلام میں لاتے ہیں اگر عقائد میں ظن جائز نہ ہوتا تو ان ظنی مسائل کو کتب عقائد میں نہ لایا جاتا اور یہ جو بعض متکلمین کے کلام میں ہے کہ "عقائد میں دلائل ظنیہ کا کوئی اعتبار نہیں" اس کی کوئی وجہ نہیں (کما فی النبراس ص ۲۴) اور شرح عقائد میں لکھتے ہیں وَلَا خِفاءَ فی ان ہذہ المسئلة ظنیة یکتفی فیہا بالادلة الظنیة؛ کہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا فرشتوں سے افضل

ہونے کا مسئلہ ظنیہ ہے اس میں ظنیہ ذلائل پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ معتزلہ اور فلاسفہ اور بعض شاعرہ جیسے قاضی ابوبکر باقلانی، ابو عبد اللہ حلی، ستاذ ابواسحاق اسفرائینی اور شیخ محی الدین ابن العربی صاحب فتوحات مکیہ ملائکہ علویہ (آسمانوں کے فرشتوں) کو انبیاء و رسل بشر سے افضل قرار دیتے ہیں لیکن یہ اختلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے انبیاء و رسل کرام علیہم السلام میں ہے۔ جہاں تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ما ذات اقدس کا تعلق ہے تو اس میں پوری امت کا اجماع ہے کہ آپ عام انبیاء و رسل اور تمام فرشتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر (کمانی النبیراس)

غرضیکہ عقائد بڑی اہمیت رکھتے ہیں عقیدہ کی تصحیح نہایت نہایت ضروری ہے اور شیطان کا سب سے بڑا اور اولین حملہ انسان کے عقیدہ میں فساد ڈالنا ہے۔ قاری جب "اعوذ باللہ" پڑھے تو اسے دل میں یہ نیت کرنا چاہیے کہ وہ عقائد باطلہ سے بھی پناہ مانگتا ہے اور عقائد باطلہ بہتر فرقوں کے عقائد ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخی قرار دیا اور ایک فرقہ تہتر و اں جنتی بتایا اور ان کا نام بھی اہلسنت و جماعت خود ہی ارشاد فرمایا اس کی تفصیل ہماری کتاب "پروفیسر طاہر القادری کا علمی و تحقیقی جائزہ" حصہ دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔ شیطان رحیم میں وہ تمام گمراہ فرقے داخل ہو گئے جو بہتر کی تعداد میں ہیں جو اپنے آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے قرار دیتے ہیں جبکہ فی الواقع وہ امت مسلمہ یا امت اجابت میں سے نہیں ہیں بلکہ امت دعوت میں سے ہیں۔ امت مسلمہ و امت اجابت صرف اور صرف اہلسنت و جماعت

ہیں جو صحابہ کرام، تابعین و اتباع تابعین و ائمہ اربعہ و دیگر ائمہ مجتہدین
اہلسنت چاروں اصحاب سلاسل اور برصغیر ہندوپاک میں حضرت داتا
گنج بخش و حضرت خواجہ معین الدین اجمیری و حضرت خواجہ نظام الدین
محبوب الہی و حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی و حضرت مجدد الف ثانی
و حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی و شاہ رؤف احمد صاحب تفسیر
رؤفی و شاہ رفیع الدین محدث دہلوی و شاہ احمد رضا محدث بریلوی
و شاہ نذیر احمد خان محدث دہلوی صاحب امطار الحق رحمہم اللہ ایسے
بزرگوں کے ہم عقیدہ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں اور ان بزرگوں
کے عقائد و مسلک سے ہٹ کر چلنے والے چکڑ الوی، مرزائی، قادیانی
مرتدین - وٹابی، پرویزی، رافضی و شیعہ

و غیر ہم ان بہتر فرقوں میں سے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
جہنمی قرار دیا (معاذ اللہ) اور ان کے علاوہ جو امت سے ؛ علانیہ خارج
ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے ہیں ان کی تعداد سات سو سے
زائد ہے۔ "اعوذ باللہ" میں جو استعاذہ ہے وہ ان مذکورہ بالاتمام
کی تمام فرقوں کو شامل ہے جو اہلسنت نہیں ہیں (کما فی التفسیر الکبیر ج ۱ ص ۹)
یعنی شیطان رحیم کا تصور ان سب گمراہوں کو شامل ہے کیونکہ یہ سب
شیاطین ہیں لہذا اعوذ میں ان سب سے خدا کی پناہ چاہے کیونکہ ان
کی رفاقت دوزخ میں لے جائے گی (معاذ اللہ)

اب ہم ان سب شرور اور ان خرابیوں کا تذکرہ کرنے لگے ہیں
جن کا تعلق انسان کے جسمانی و بدنی اعمال سے ہے۔

اعمال دنیویہ کی قسمیں

انسان کے بدنی و جسمانی اعمال کی دو قسمیں ہیں ایک وہ قسم ہے جس سے انسان کے دین کو نقصان پہنچتا ہے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان کو دنیوی نقصان پہنچتا ہے۔ دین کو نقصان پہنچانے والی وہ تمام چیزیں اعمال ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا جیسے چوری، زنا، بھوٹ، خیانت، قتل، غیبت، بہتان تراشی اور شراب نوشی و جو بازی اور ترک نماز و ترک روزہ اور ترک دیگر فرائض ایسے تمام کام جن کے کرنے کی شریعت میں اجازت نہیں ہے ان میں سے کسی بھی ایک کے کرنے سے انسان کے دین کو نقصان ہوتا ہے اس کا رابطہ اسلام اور رشتہ ایمان کمزور پڑ جاتا ہے، دل پر رنگ اور میل آجاتی ہے، انسان خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی کا نشانہ ہو جاتا ہے، خدا تعالیٰ کی رحمت اسکی دشگیری نہیں کرتی بلکہ اس شخص پر اس کا قہر و غضب برسنے لگتا ہے، تا وقتیکہ وہ اس حرکت سے پچھے دل سے توبہ کر کے آئندہ کے لیے اپنے آپ کو درست کر لینے اور سنوارنے کا عہد نہ کر لے اور دوسری قسم وہ ہے جس سے انسان کو دنیوی اعتبار سے نقصان پہنچتا ہے جیسے تمام تکلیفیں، بیماریاں، مصیبتیں، تنگ دستی وغیرہ ایسی مشکلات جو انسان کی صحت و تندرستی کو نقصان دیں۔ یا اس کے مال و کاروبار میں خسارے کا باعث بنیں، جب انسان "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" پڑھے تو اسے چاہیے کہ ان تمام اعمال اور تمام گمراہ فرقوں سے بھی خدا کی پناہ چاہے جو اس کے دین کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اسکی دنیا کو برباد کرتے ہیں جبکی تعداد اسلام میں ۲۰ بہتر۔

اور اسلام سے باہر سات سو اور اس سے کچھ زائد ہے۔
چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:-

وَيَدْخُلُ فِي هَذِهِ الْجُمْلَةِ مَذَاهِبُ
فِرَاقِ أَهْلِ الضَّلَالِ فِي الْعَالَمِ
وَهُيْ اثْنَتَانِ وَسَبْعُونَ
فِرْقَةً مِنْ هَذِهِ
الْأُمَّةِ وَ سَبْعُمِائَةٍ
وَكَثْرٌ خَارِجٌ عَنْ هَذِهِ
الْأُمَّةِ (الْحَىٰ أَنْ قَالَ) وَيَدْخُلُ فِي
هَذِهِ الْجُمْلَةِ مَذَاهِبُ أَهْلِ
الْكُفْرِ وَ أَهْلِ الْبِدْعَةِ
عَلَىٰ كَثْرَتِهَا وَ ثَابِتِهَا الْعَسَقِ
اور اس جملہ میں جہان میں موجود گمراہ
فرقے داخل ہیں اور یہ اس امت کے
بہتر فرقے ہیں اور اس امت سے
باہر سات سو اور اس سے بھی زیادہ
(آگے چل کر فرماتے ہیں) اور تمام
کفر و بدعت اور گمراہی والے فرقے
اپنی کثرت کے باوجود اس جملہ
میں داخل ہیں اور ان تین قسموں
میں سے دوسرا قسم فسق و فجور اور خلاف
شرع حرکتیں ہیں (اور تیسرا قسم
مکروہات و آفات اور خطرناک
چیزیں ہیں جن سے انسان کو نقصان
پہنچتا ہے)

(تفسیر کبریٰ ج ۱ ص ۹)

اعوذ باللہ کہتے ہوئے ان سب سے خدا کی پناہ چاہنا چاہیے۔
یہاں سے معلوم ہوا کہ بہتر فرقوں والی حدیث کا تعلق صرف ان فرقوں سے
ہے جو اسلام کے دعویٰ دار ہیں اسلام سے باہر کے فرقوں کی تعداد تو سات سو سے
بھی زائد ہے ان سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

”اعوذ باللہ“ سے متعلق کچھ نکات ہیں جنہیں قارئین کے علمی و عرفانی و روحانی
 افادیت کے لیے پیش کیا جاتا ہے۔

پہلا نکتہ

(اعوذ باللہ) میں پہلا نکتہ یہ ہے کہ اس میں مخلوق سے خالق اور ممکن
 سے واجب کی طرف عروج و ترقی ہے معرفت خداوندی کے حصول کے لیے
 ابتدائی طور پر یہی ایک راہ معین ہے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں کہ
 انسان مخلوق کے احتیاج کو خدائے غنی و قادر کی ہستی کی دلیل قرار دے
 کر اس کی طرف رجوع کرے۔ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔
 ”عرفت ربی بفسخ عزائی“ کہ میں نے خدائے برتر اور غنی و
 قادر کو اس بات سے پہچانا کہ بعض اوقات میرے عزائم و ارادوں میں
 وہ حائل ہو جاتا ہے اور میں اپنے عزائم و ارادوں کو عملی جامہ پہنانے سے
 قاصر رہ جاتا ہوں اور میرے بنے بنائے پروگرام دھرنے رہ جاتے
 ہیں، یہی اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی ماورائی طاقت ایسی ضرور ہے جس
 کے ہاتھ میں کامیابیوں کی کنجی ہے جب تک اس کی مشیت نہ ہو کسی کا
 عزم و ارادہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اور اس ماورائی طاقت و ہستی
 کا نام ”اللہ“ جل شانہ ہے۔ اعوذ میں انسان کی مکمل احتیاج و کمزوری
 کا اعتراف ہے اور ”باللہ“ میں خدائے قدوس کا اسم گرامی ”اللہ“ اس
 کے غنائے تام اور کامل بے نیاز ہونے کی طرف اشارہ ہے اور بندے
 کا اعوذ گنا اپنے حق میں فقر و احتیاج کا کامل اعتراف ہے گویا بندہ

» اَعُوذُ بِاللّٰهِ « کہہ کر دو باتوں کا اعتراف کرتا ہے ایک یہ کہ حق تعالیٰ بندے کو ہر بھلائی کے عطا کرنے اور اس سے ہر بلا و مصیبت کے دور کرنے پر قادر ہے اور دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کسی یہ شان نہیں کہ وہ کسی کو ہر بھلائی عطا کرنے اور اس سے ہر مصیبت و تکلیف کے دور کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بھلائیوں کے دینے والا اور مصیبتوں کے دور کرنے والا، اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں، پس بندہ جب اس حقیقتِ حال کا ادراک کرتا اور اس صورتِ حال کا مشاہدہ کرتا ہے تو وہ ہر چیز سے حتیٰ کہ اپنے آپ سے بھی اعتماد کے رشتے توڑ کر خدائے برتر و قادر مطلق کی طرف راہِ فرار اختیار کرتا اور اس کی طرف بھاگ بھڑا ہوتا، تو وہ اس فرار میں، اللہ تعالیٰ کے ارشادِ گرامی **فَفِرُّوْا اِلٰی اللّٰهِ** ط تو اللہ کی طرف بھاگو۔ کے راز کا مشاہدہ کرتا ہے اور بندہ جب ان لطائف و نکات کو اپنے دل و دماغ میں حاضر و موجود کر کے » اَعُوذُ بِاللّٰهِ « کہتا ہے تو اسے یہ روح پرور اور جانفزا حالت نصیب ہوتی ہے جس کے بعد وہ بارگاہِ حق میں رسائی پاتا اور حق تعالیٰ کے جلال و عظمت کے نور میں ڈوب جاتا ہے اور

» **قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ** « (الانعام) اللہ، کہو پھر انہیں چھوڑ دو، «
 ارشادِ خداوندی کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس وقت اس کی زبان پر آ جاتا ہے
اَعُوذُ بِاللّٰهِ،

دوسرا نکتہ

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ بندے کا » اَعُوذُ بِاللّٰهِ « کہنا اپنی عاجزی کا اقرار اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اعتراف ہے اور بندے کا یہ اقرار و

اعتراف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بارگاہِ خدائے قدوس کے قرب کا ذریعہ اس کے حضور عجز و انکسار کے سوا کوئی نہیں پھر ارشادات نبویہ (صلوات اللہ علی صاحبہا وسلم) میں سے آپ کا ارشاد گرامی ہے

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ -
 کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا بے شک اس نے اللہ تعالیٰ کو پہچان لیا۔

یعنی جس نے اپنی ذات کو کمزوری اور کوتاہی سے پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا کہ وہی ہر مقدور چہر قدرت رکھنے والا ہے اور جس نے اپنی ذات کو جہل و نادانی سے پہچانا اس نے اپنے رب کو علم و فضل اور عدل سے پہچان لیا اور جس نے اپنے آپ کو فسادِ حال سے پہچانا اس نے اپنے رب کو کمال و جلال سے پہچان لیا اور جس نے اپنے آپ کو فنا سے پہچانا اس نے اپنے رب کو بقا سے پہچان لیا۔

چنانچہ قرآن کریم میں ہے :- اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے۔

وَمَنْ يُرِيبْ عَنِ مِلَّةِ اِبْرٰهٖمَ
 اَلَا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ (البقرہ)
 ان کی تفسیر میں مولانا امام سلطان بن علی القاری فرماتے ہیں۔
 سَفِهَ نَفْسَهُ اِی جَہْلُهَا حِیْثُ لَعَلَّ یَعْرِفُ رَبَّہَا۔
 یعنی اپنے نفس کی پہچان سے جاہل رہا کیونکہ اپنے رب کو نہ پہچانا
 (الموضوعات الکبیر ص ۷۲)

یعنی اگر اپنے آپ کو پہچان لیتا تو اپنے آپ کو پہچان لیتا لیکن اپنے رب کو نہ پہچانا کیونکہ اپنے آپ کو نہ پہچانا اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ

کی معرفت سے وہی بے بہرہ ہوگا۔ جس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا ہوگا اور علم و دانش اور تحقیق و تسلیم کی دنیا میں "اعوذ باللہ" میں لفظ "اعوذ" میں نفس حقیر کی معرفت اور "باللہ" میں رب قدیر کی معرفت ہے۔

تیسرا نکتہ

"اعوذ باللہ" میں تیسرا نکتہ یہ ہے کہ بندہ اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کا حق ادا نہیں کر سکتا ہے جب تک کہ شیطان سے بھاگ نہ جائے اور بندہ کا "اعوذ باللہ" کہنا شیطان سے بھاگنا ہے۔

چوتھا نکتہ

تعوذ میں چوتھا نکتہ "رمز بھید کلمی" استعاذہ "کافلسفہ و حکمت اور اس کا رمز و بھید یہ ہے کہ بندہ قادر و مطلق سے التجا کرتا ہے کہ وہ آفات و بلیات کو اس سے دور رکھے پھر سب سے اہم چیز جس میں شیطان و سوسہ اندازی کرتا ہے تلاوت کلام الہی ہے کیونکہ جو شخص قرآن پڑھتا اور اس سے خدائے رحمن و رحیم کی عبادت کی نیت کرتا ہے اور اس کے وعدہ و وعید، اس کی آیات اور اس کے دلائل میں غور و فکر کرتا ہے۔ طاعات و عبادات میں اس کی رغبت بڑھتی ہے اور حرام و ناجائز کاموں سے اس کے خوف میں اضافہ ہوتا ہے اسی لیے تلاوت کلام الہی اور قرارة قرآن کریم عظیم ترین عبادت قرار پائی ہیں تو شیطان رحیم بندے کو اس عبادت سے روکنے کی نہایت ہی کوشش کرتا ہے۔ اس صورت میں بندے کو ایسی ہستی کی اشد ضرورت و حاجت ہوتی ہے جو اسے شیطان کے شر سے محفوظ رکھے پس

اسی حکمت و فلسفہ کی رو سے قرآن کو استعاذہ کے ساتھ خصوصیت حاصل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم قرآن کریم کی تلاوت قرآن کا ارادہ کرو تو شیطان رحیم سے خدا تعالیٰ کی پناہ چاہو۔

پانچواں نکتہ، تعوذ و تسمیہ کا باہمی ربط

تعوذ میں پانچواں نکتہ یہ ہے کہ شیطان انسان کا دشمن ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ان الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا - (فاطر ۶) تو تم بھی اسے دشمن سمجھو

اور خدائے رحمن انسان کا دوست اس کا خالق اور اس کی مشکلات کو سونارنے والا ہے پھر انسان اطاعت و عبادات میں شروع ہوتے وقت اپنے دشمن سے ڈرتا ہے تو وہ اس بات کی کوشش کرتا ہے کہ اپنے مالک کی رضا و خوشنودی حاصل کرے تاکہ وہ اسے اس دشمن کی زحمت و مصیبت سے چھوڑائے پس جب بندہ اپنے مالک کی بارگاہ میں جا پہنچا اور طرح طرح کے سرور، کرامات، اعزازات اور انعامات کا مشاہدہ کیا تو دشمن کو بالکل بھول کر مکمل طور پر محبوب حقیقی کی خدمت پر متوجہ ہو گیا۔ پس پہلا مقام محبوب حقیقی کی طرف فرار ہے اور وہ اس کا "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم"، کتنا ہے اور دوسرا مقام شہنشاہ جبار کی بارگاہ میں حصولِ قرار ہے اور وہ اس کا "بسم اللہ الرحمن الرحیم" پڑھنا ہے۔

چھٹا نکتہ

تعوذ یا استعاذہ سے متعلق چھٹا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

لَا يَسْتَعِذُّ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ
(الواقعة ۷۹)

تو دل جب غیر اللہ سے متعلق ہو اور زبان پر غیر اللہ کا ذکر جاری ہو تو اس میں ایک طرح کی برائی پیدا ہو گئی پس اسے پاک کرنے کے لیے طہور (جس سے زبان کو اور دل کو پاک کیا جائے) کا استعمال ضروری ہو گیا تو بندے نے جب کہا۔ ”اعوذ باللہ“ تو اس سے اس کا دل اور اس کی زبان دونوں پاک ہو گئے اس کے بعد ہی وہ حقیقی نماز کے قابل ہو گیا اور حقیقی نماز ذکر الہی ہے پس وہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ساتواں نکتہ

تعوذ و استعاذہ سے متعلق ساتواں نکتہ یہ ہے کہ انسان کے دو دشمن ہیں۔ ایک ظاہری دشمن ہے اور دوسرا باطنی دشمن۔ اور انسان کو ان دونوں سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ ظاہری دشمن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ
وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ
مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ

لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے
اللہ پر اور قیامت پر اور حرام
نہیں مانتے اس چیز کو جس کو

وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ -
 حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے
 اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے۔

(التوبہ ۲۹)

اس میں اللہ تعالیٰ نے کفار اور بے دینوں سے لڑنے کا حکم دیا جو ایک
 مسلمان انسان کے ظاہری دشمن ہیں۔ اور باطنی دشمن کے بارے میں فرماتا ہے
 إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ
 عَدُوًّا (فاطر: ۶۱) بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے
 تو اسے دشمن سمجھو۔

تو گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ تم جب ظاہری دشمن سے
 لڑو گے تو فرشتے تمہاری مدد کو آئیں گے۔ چنانچہ جنگ بدر میں فرشتے
 مدد کو آئے۔ قرآن میں ہے۔

يُمَدِّدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ
 آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ
 مَسْجُوعِينَ (ال عمران: ۱۲۵) تو تمہارا رب تمہاری مدد کو
 پانچ ہزار فرشتے نشان والے
 بھیجے گا۔

چنانچہ مسلمانوں نے بدر کے روز صبر و تقویٰ سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ
 نے حسب وعدہ پانچ ہزار فرشتوں کی مدد بھیجی اور مسلمانوں کی فتح اور
 کافروں کی شکست ہوئی۔

اور جب باطنی دشمن (شیطان) سے لڑو گے تو خدائے بزرگ و برتر
 براہ راست خود تمہاری مدد فرمائے گا۔ پھر باطنی دشمن شیطان تمہارا کچھ
 تمہیں بگاڑ سکے گا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے جس میں وہ شیطان
 سے فرماتا ہے۔

بے شک جو میرے بندے ہیں
ان پر ترا کچھ قابو نہیں اور تیرا
رب کام بنانے کو کافی ہے۔

اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ
عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ وَّكَفٰ
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ اِلٰى
الْحَيْۤثُ
يَدْعُوْنَ
اِلَيْهِمْ
لِيُخْرِجُوْهُمْ
مِنْ اَرْضِهِمْ
قُلْ اِنَّ
سُلْطٰنًا
لِّرَبِّيْ
عَلٰى
كُلِّ شَيْۡءٍ
وَّكَفٰ
يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ
يَدْعُوْنَ
اِلٰى
الْحَيْۤثُ
يَدْعُوْنَ
اِلَيْهِمْ
لِيُخْرِجُوْهُمْ
مِنْ اَرْضِهِمْ
قُلْ اِنَّ
سُلْطٰنًا
لِّرَبِّيْ
عَلٰى
كُلِّ شَيْۡءٍ
وَّكَفٰ

(الاسراء - ۶۵)

یعنی انہیں تجھ سے اور تیرے شر سے محفوظ رکھے گا اور تیرے مکرو فریب
کو ان پر کارگر نہیں ہونے دے گا تو جب بندہ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم"،
کتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بندے کی پشت پناہ ہوتی ہے جس سے
شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے نیز باطنی دشمن سے جہاد و جنگ کا درجہ ظاہری
دشمن کے ساتھ جہاد و جنگ سے بہت ہی بلند و بالا ہے کیونکہ ظاہری دشمن
اگر موقع پاتا ہے تو انسان کا مال یا جسمانی نقصان کرتا ہے اور یہ اس کا
دنیا کا نقصان ہے اور باطنی دشمن اگر موقع پاتا ہے تو انسان کے دین و ایمان
کو نقصان پہنچاتا ہے اور یہ اس کا آخرت کا نقصان ہے جو دنیا کے
نقصان کے مقابلہ میں سخت اور انتہائی سخت بلکہ ناقابل برداشت
نقصان ہے۔ دنیا کے نقصان کی تلافی ہو سکتی ہے لیکن جب روزِ آخرت
کسی کے سامنے اس کی آخرت کا نقصان آئے گا تو وہ اس کی تلافی کرنے
پر قادر نہ ہوگا۔ لہذا جو مجاہد اپنے باطنی دشمن سے جنگ کرتا اور اس
سے اپنے دین و ایمان کے سرمایہ کو بچاتا ہے اس کا درجہ اس مجاہد
سے بہت ہی اونچا ہے جو ظاہری دشمن سے جنگ کرتا ہے۔ اس لیے
تیر و تلوار اور گولے بارود کے ذریعے کافروں (ظاہری دشمنوں) سے
لڑنے والوں سے ان کا مقام اونچا ہے جو باطنی دشمن (نفس و شیطان)
سے لڑتے اور اپنے دین و ایمان کو اس کے شر سے محفوظ رکھتے

ہوئے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں پھر ان دونوں سے علماء اہلسنت و
فقہا ر دین و ملت کا مقام کئی درجے بلند و بالا ہے جو اپنے
علم کے ذریعے نہ صرف اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ
دوسرے لوگوں کی راہنمائی کر کے ان کے دین و ایمان کی حفاظت کا
سبب بھی بنتے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا
مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا
الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ط
اور بلند کرتا ہے اللہ تعالیٰ
تم میں سے ایمان والوں کو اور
ان کو جنہیں علم دیا گیا درجوں
بلند کرتا ہے۔

(المجادلہ ۱۱)

تفسیر مظہری میں ہے "الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ" العلماء مِنْهُمْ

خاصہ ج ۲۸ ص ۲۲۴) یعنی علم والوں سے مراد خاص طور پر علماء ہیں
جنہیں اللہ تعالیٰ دوسرے مسلمانوں کے مقابلہ میں کئی درجے بلندی بخشی
ہے پھر فرماتے ہیں کہ چونکہ علماء دین علم و عمل کو اپنے اندر جمع کرتے ہیں
یعنی ان میں علم بھی ہوتا ہے اور عمل بھی، مگر تو جس قدر ان کو ثواب ملتا ہے
دوسرے مسلمانوں کو نہیں ملتا۔ ان کو اپنا ثواب بھی ملتا ہے اور ان
سب کے ثواب کے برابر ثواب بھی جو ان کی ہدایت و تلقین پر نیک کام
کرتے ہیں جبکہ ان کے ثواب میں بھی کوئی کمی نہیں کی جاتی۔ چنانچہ حدیث
شریف میں ہے کہ جس نے لوگوں کو اچھے راستہ کی ہدایت کی اور اچھے
کام کی بنیاد ڈالی۔ اسے اس کا ثواب ملے گا اور اس پر عمل کرنے والوں
کے ثواب کے برابر مزید ثواب بھی۔

جیسا کہ اجر و ثواب میں کوئی کمی آئے (صحیح مسلم) دوسری حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عالم دین کا درجہ ایک غیر عالم عبادت گزار انسان کے مقابلہ میں اس قدر اونچا ہے جس قدر میرا درجہ تم میں سے ایک ادنیٰ درجہ کے انسان سے (ترمذی)

ایک اور حدیث میں ہے کہ عالم دین کی فضیلت اور قدر و منزلت ایک عبادت گزار انسان کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے چودھویں کے چاند کی فضیلت دوسروں ستاروں کے مقابلہ میں اور علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور انبیاء نے کسی کو دنیا و دہم کا وارث نہیں بنایا یعنی اپنے پیچھے دنیا و دہم نہیں چھوڑے تھے۔ انہوں نے تو علم کا وارث بنایا یعنی اپنے پیچھے علم چھوڑا تو جس نے علم دین سیکھا عالم ہو گیا تو اس نے نبیوں کی بہت بڑی میراث پالی (رواہ احمد)

اور ایک حدیث میں ہے "لَوْ مَرَّ الْعَالِمُ بِعِبَادَةٍ" کہ عالم دین کی نیند عبادت ہے اور دوسری حدیث میں ہے "لَوْ مَرَّ الْعَالِمُ بِخَيْرٍ مِنْ عِبَادَةٍ" کہ عالم دین کی نیند عبادت گزار کی عبادت سے بہتر ہے۔ جب عالم کی نیند عبادت گزار کی عبادت سے بہتر ہے تو عالم کی عبادت کا کیا مقام ہوگا۔ ایک اور حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے "تُدَارِسُ الْعِلْمَ سَاعَةً وَوَحْدَةً خَيْرٌ مِنْ أَحْيَانِهَا" کہ عالم دین کا ایک لمحہ کا درس قرآن و سنت و درس شریعت، رات بھر کھڑے ہو کر عبادت کرنے سے بہتر ہے (مشکوٰۃ کتاب العلم) ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر مسجد میں بیٹھے دو گروہوں سے ہوا۔ ان میں سے ایک ذکر الہی میں مصروف تھا اور دوسرا گروہ علم کو پڑھ

پڑھا رہا تھا۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ ان میں جلوہ گر ہوں۔
 آپ نے دونوں کو فرمایا کہ تم اپنی اپنی جگہ بہتر کر رہے ہو۔ یہ کہہ کر آپ علم پڑھتے
 پڑھانے والوں میں جا بیٹھے اور فرمایا "إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" کہ میں علم
 سکھانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں (مشکوٰۃ کتاب العلم) اس حدیث سے یہ نتیجہ
 نکلتا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنا ہو تو صحیح العقیدہ علماء دین
 کے پاس جا کر بیٹھو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرآنہ میں یہ آیت
 یوں ہے۔

يَرْفَعُ اللَّهُ الْمُؤْمِنَ الْعَالِمَ فَوْقَ
 الَّذِي لَا يَعْلَمُ دَرَجَاتٍ -
 اللہ مسلمان عالم کو مسلمان غیر عالم
 سے کئی درجے بلندی عطا کرتا ہے۔

(تفسیر مظہری ج ۲۸ ص ۲۲۵)

ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے عالم دین غیر عالم
 سے سات درجے بلندی رکھتا ہے اور ہر درجہ کے درمیان اس قدر فاصلہ ہے جس
 قدر آسمان اور زمین کے درمیان، اس لیے ماضی کے بزرگوں نے ہمیشہ علم کی خدمت
 کی اور اسی سے غوثیت قطبیت کا مرتبہ پایا۔ چنانچہ سیدنا غوث اعظم
 رضی اللہ عنہ قصیدہ غوثیہ میں فرماتے ہیں۔

دَرَسْتُ الْعِلْمَ حَتَّى صِرْتُ قُطْبًا
 فَبَلَغْتُ السَّعَادَ مِنْ مَوْلَى الْمَوَالِي
 یعنی میں نے علم دین اس قدر پڑھایا کہ
 کہ میں قطب و غوث ہو گیا تو میں
 نے مالکوں کے مالک (اللہ تعالیٰ)
 سے سعادت حاصل کر لی۔

لہذا علماء دین کا مقام شہیدوں سے بھی بلند ہے ایک حدیث میں ہے
 کہ قیامت کے دن عالم دین کے قلم کی سیاہی کو شہیدوں کے خون کے ساتھ تولو

جائے گا۔ تو ان کی سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا۔ جب
 علماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے بہتر ہوئی تو علماء کا اپنا مقام
 کیا ہوگا۔ اس لیے شیطان سب سے زیادہ علماء کا دشمن ہے کیونکہ علماء ہی
 علم کے ذریعے سب سے بڑھ کر باطنی دشمن (شیطان) کے ساتھ جنگ
 میں مصروف ہیں۔

آٹھواں نکتہ

استعاذہ و تعوذ میں آٹھواں نکتہ یہ ہے کہ مومن کا دل سب سے بہتر
 مقام ہے تمہیں روئے زمین پر اگر کوئی سب سے زیادہ رونق والی جگہ نظر
 آئے جہاں بہترین باغات لگے اور خوشبودار پھول مہک رہے ہوں۔
 مومن کا دل اس جگہ سے بھی بہتر ہے۔ بلکہ مومن کا دل شفاف و صاف شیشے
 کی طرح ہے بلکہ شیشے سے بھی بڑھ کر کیونکہ شیشہ پر اگر پردہ ڈال دیا
 جائے تو اس میں کچھ نظر نہیں آتا جبکہ مومن کے دل کے آگے ساتوں آسمان،
 اسی اور عرش بھی حجاب و آڑ نہیں بن سکتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان
 ہے کہ :

لِيَهِيَ يَصْعَدُ الْكَلِمَ الطَّيِّبُ
 وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ

اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام
 اور جو نیک کلام ہے وہ اسے

بلند کرتا ہے

(سورہ فاطر: ۱۰)

اس میں بتایا گیا ہے کہ پاکیزہ کلام جو مومن کے دل سے نکل کر زبان پر
 آتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتا اور اپنے محل قبول درمنا تک پہنچتا
 ہے اور پاکیزہ کلام سے مراد کلمہ توحید و تسبیح و تحمید و تکبیر وغیرہ ہیں۔

چنانچہ امام جاکم و بیہقی نے روایت کیا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلمہ طیب سے ذکر مراد ہے بعض مفسرین اس سے قرآن اور دعا مراد لیتے ہیں صحیح یہی ہے کہ اس میں تمام اچھی باتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا طلبی کی نیت سے کی جائیں اور جو دل کے اخلاص کے ساتھ زبان پر جاری ہوتی ہیں معلوم ہوا کہ صحیح العقیدہ صالح مومن کا دل ایک ایسا شفاف و صاف آئینہ اور ایک ایسا محل نور ہے کہ اس سے نکلے ہوئے کلمات مقدسہ سیدھے خدائے قدوس کے حضور شرف قبول کو پہنچ جاتے ہیں ان کے آگے آسمان اور عرش و کرسی بھی آڑ روک نہیں بن سکتے۔ اور مومن صالح کا نیک عمل بھی اس کے کلمہ ایمان جس کا محل اس کا دل ہے کی برکت سے اوپر اٹھایا جاتا ہے وہ کلمہ ایمان اس کے عمل صالح کو بلند کرتا ہے اور مقام قبولیت تک پہنچاتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جس کا ایمان و اعتقاد صحیح نہیں اس کا عمل مقام قبولیت کو نہیں پہنچتا بلکہ ضائع رائیگاں جاتا ہے اور یہ دفعہ کی ضمیر منصوب متصل بندہ مومن کی طرف راجع ہو سکتی ہے اور ضمیر مستتر، عمل صالح کی طرف، تو معنی یہ ہوگا کہ وہ بندہ مومن جو صحیح العقیدہ ہے جس کا دل حب خدا و رسول صلی اللہ علیہ سے لبریز ہے اس کا عمل صالح اس کو بلند کرتا اور اس کی عزت کو بڑھاتا ہے لہذا جو شخص دنیا و آخرت کی عزت و عظمت و رفعت و بلندی کا خواہش مند ہو وہ اپنا ایمان و اعتقاد صحیح کرنے کے بعد نیک عمل کرے اور شریعت کے احکام اخلاص قلب اور پابندی کے ساتھ بجالایا کرے غرضیکہ مومن کا دل جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے منور اور اس کی شخصیت عمل صالح سے مزین ہو جائے تو اس کے دل

آگے سے بشری کثافتوں و غفلتوں کے حجابات اٹھ جاتے ہیں تو وہ جلال ربوبیت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کا علم ذاتِ خدا کے بے نیاز کی صفات کا احاطہ کر لیتا ہے۔

مومن صالح کا دل سب سے بہتر جگہ ہے اس کی ایک دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں
 الْقَبْرُ رَوْحُهُ جَنَّاتٌ
 کہ (مومن کی) قبرِ جنت کے باغوں
 رِیَا حِیْنَ الْجَنَّةِ -
 میں سے ایک باغ ہے (ترمذی، قیامت)
 قبر کی جگہ کا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ قرار پانا اس لیے ہی ہے کہ وہ بندہ مومن کی جگہ بن گئی تو جب وہ زمین جہاں مومن صالح آرام کر رہا ہے دوسری زمین سے افضل ٹھہری کیونکہ وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو گئی تو اس کا دل جو معرفتِ خداوندی کا محل اور اس کی اِلَٰهِيَّتِ کا تخت ہے ضروری ہے کہ سب سے بہتر جگہ ہو جیسا کہ مولانا رومی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں

دل بدست آور کہ حج اکبر است
 ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
 کعبہ بنائے خلیل آزر است
 دل نظر گاہِ جلیل اکبر است

یعنی دل اپنے ہاتھ میں کر لو کہ یہ کام سب سے بڑا حج ہے اور مومن صالح کا دل ہزار ہا کعبہ سے بہتر ہے۔ کعبہ آزر کے محبوب (بیٹے)

کا بنایا ہوا ہے جبکہ دل خدائے جلیل و اکبر کی نظر گاہ ہے۔

مولانا رومی کا مقصد یہ ہے کہ مومن صالح کا دل کعبہ معظمہ سے اونچا مٹا رکھتا ہے لہذا تم مومن صالح کے دل کو ناراض نہ کیا کرو بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کے دل کو راضی رکھا کرو اور مومن صالح وہ مسلمان ہے جس کا عقیدہ اہلسنت اور اس کا عمل شریعت کے مطابق اور اس کی صورت و سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت و سیرت کے موافق ہو اس کا سینہ قرآن و سنت کے علوم کا خزینہ ہو ایسے شخص کے دل کو راضی کرنا اور اس کی مرضی پر گامزن ہونا حج اکبر سے کم نہیں کعبہ جو ایسے مومن کے دل کے مقابلہ میں کم درجہ رکھتا ہے اس کا طواف حج ہے تو اس سے زیادہ درجہ رکھنے والے قلب مومن کا طواف یعنی اسے راضی کرنا اور اس کی مرضی کے گرد گھومنا ضرور حج اکبر (سب سے بڑا حج) ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے میرے بندے! تیرا دل میرا باغ اور میری جنت تیرا باغ ہے تو جب تو نے میرے باغ (اپنے دل) کے بارے میں بخل سے کام نہیں لیا بلکہ تو نے اس میں میری معرفت کو نازل کر ڈالا تو میں اپنے باغ (جنت) کے معاملہ میں تیرے لیے کیسے بخل کر سکتا ہوں اور تجھے اس میں داخل ہونے سے کیسے روک سکتا ہوں؟

تیسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس بات کو بیان کیا ہے کہ بندہ مومن جنت کے باغ میں کیسے داخل ہوگا چنانچہ وہ فرماتا ہے کہ بے شک پرھیزگار باغوں اور نہر میں ہیں

فِي مَقْعَدٍ صَدِيقٍ حَمِيدٍ بیسح کی مجلس میں عظیم قدرت

والے بادشاہ کے حضور

مقدمہ (القمر ۵۴)

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور پرہیزگار بندے قیامت کے دن جنت کے باغوں اور نہروں، سچ کی مجلس عظیم قدرت والے بادشاہ خدائے قدوس کی بارگاہ میں ہوں گے اور اس کئی بارگاہ کے مقرب ہوں گے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ”ملیک“ نہیں کہا بلکہ ”ملیک مقدر“ فرمایا گویا ارشاد فرماتا ہے کہ ”میں قیامت کے دن ”ملیک مقدر“ یعنی عظیم قدرت والا بادشاہ ہوں گا اور میرے بندے جنت کے بادشاہ ہوں گے لیکن وہ (عظیم قدرت والے) نہیں ہوں گے بلکہ میری قدرت کے تحت ہوں گے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے! میں نے اپنی جنت تیرے لیے کر دی اور تو نے اپنی جنت (دل) میرے کر دیا لیکن تو نے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو نے میری جنت (بہشت) دیکھی اور کیا اس میں داخل ہوا۔ بندہ کہتا ہے نہیں، اے میرے پروردگار۔ پھر پوچھتا ہے کہ کیا تو اپنی جنت میں داخل ہوا یعنی اپنے دل کو دیکھا جو تیری جنت ہے (جسے میں نے اپنے لیے بنایا مگر وہ تیرے پاس ہے اس نسبت سے میں اسے تیری جنت کہہ رہا ہوں کیا تو نے اس کو دیکھا؟) تو ضروری ہے کہ بندہ یہ کہے کہ ہاں اے پروردگار! تو اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ اے میرے بندے اس کے بعد (باوجود) کہ تو میری جنت (بہشت) میں داخل نہیں ہوا لیکن جب اس میں تیرے داخل ہونے کا وقت قریب ہوا میں نے تیرے لیے تیرے دشمن شیطان کو اپنی جنت سے نکال باہر کیا اور اس کو حکم دیا کہ

اُخْرِجْ مِنْهَا مَذْعُومًا
مَذْحُورًا۔

یہاں سے نکل جا رو کیا گیا
رانده ہوا

(سورۃ اعراف ۱۸)

تو میں نے تیرے دشمن کو نازل ہونے اور وہاں آباد ہونے سے پہلے نکال باہر کیا لیکن تیرا حال یہ ہے کہ اس کے باوجود کہ میں (مثلاً) تیری عمر کے (ستر سال سے تیرے دل کے باغ میں جلوہ گر ہوں تبھی یہ بات کیسے نزیب دیتی ہے کہ تو میرے دشمن (شیطان) کو نہ نکالے اور اسے وہاں سے نہ بھگا دے؟ تو اس (سوال پر) بندہ جواب عرض کرتا ہے اور کہتا ہے اے میرے اللہ! تو اس بات پر قادر ہے کہ شیطان کو اپنی جنت سے نکال باہر کرے لیکن میں بندہ عاجز و کمزور ہوں اور اس کے نکال دینے پر قادر ہوں تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عاجز و کمزور جب بادشاہ غالب کی حمایت میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ عاجز نہیں رہتا، قوت و طاقت والا ہو جاتا ہے لہذا تو اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم "پڑھ کر میری حمایت میں داخل ہو جاتا کہ تو اپنے دل کی جنت سے دشمن (شیطان) کے نکالنے پر قادر ہو جائے۔ لہذا بندہ کہتا ہے "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم"

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ بندہ مومن کا دل جب اللہ تعالیٰ کا باغ ٹھہرا تو اللہ شیطان کو از خود کیوں نہیں نکال دیتا۔ بندے سے کیوں نکلو اتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ تو نے تو اپنے دل کے مکان میں سلطانِ معرفتِ الہی کو جلوہ گر کیا ہے یا کرنا چاہتا ہے تو جو اپنے گھر بادشاہ کو جلوہ فرما کرنے کا ارادہ کرے، اسی پر واجب ہے کہ وہ اس مکان کو جھاڑ دے اور ناپاک اور گندی چیزوں سے اسے پاک و صاف کرے یہ کام مہمانِ کریم بادشاہ محترم پر واجب نہیں لہذا بادشاہ فرمائش کرتا ہے کہ اے بندے! تیرا کام ہے کہ تو میری جلوہ گر اپنے دل

کے مکان کو دسوسہ و تیرے خیالات کی گندگی سے پاک کرے اور پڑھ
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

نواں نکتہ

نواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ” اے میرے بندے! تو
 نے میرے ساتھ اضااف نہیں کیا، کیا تجھے معلوم ہے کہ میرے اور شیطان کے
 درمیان کس بات پر دشمنی ہوئی؟ وہ تو فرشتوں کی طرح میری عبادت کرتا تھا
 اور بہ ظاہر میری الایہیت و خدا ہونے کا اقرار ہی تھا میرے اور اس کے درمیان
 اس لیے دشمنی واقع ہوئی کہ میں نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ تیرے باپ آدم
 کو سجدہ کرے پس جب اس نے تیرے باپ کو سجدہ کرنے اور اس کی تعظیم
 بجالانے سے انکار و تکبر کیا تو میں نے اسے اپنی خدمت سے بھی دور کر دیا
 اور اس نے حقیقت میں میری خدمت و عبادت سے انکار نہیں کیا، تیرے
 باپ کا دشمن ہو گیا۔ اس لیے میں نے اسے اپنے قرب سے دور کر دیا
 پھر وہ ستر سال سے (مثلاً تیری پوری زندگی میں) تیرے ساتھ بھی دشمنی
 کرتا چلا آ رہا ہے (اس لیے کہ تو اس کے دشمن آدم کا بیٹا ہے) اور اس
 کے باوجود تو اس سے محبت کرتا اور اس کا کنا مانتا ہے اور وہ تمام بھلائیوں
 میں تیری مخالفت کرتا ہے۔ اور تو تمام مرادوں میں اس سے موافقت کرتا
 رہا ہے پس اس برے طریقہ کو چھوڑ اور ” اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ “ کہہ کر
 اس کے ساتھ دشمنی کا اظہار و اعلان کر۔ لہذا بندہ کہتا ہے۔ ” اَعُوذُ بِاللّٰهِ
 مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

دسواں نکتہ

تعوذ میں دسواں نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کو اس طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ میرے بندے! کیا تو نے اپنے باپ آدم کے قصہ کی طرف توجہ نہیں دی کہ شیطان نے، ان سے علانیہ طور سے دشمنی کا اظہار نہیں کیا تھا بلکہ اس نے ہمدرد بن کر تیرے باپ کو دھوکا دیا

وَقَاَسَمَهُمَا اِتٰی لَكُمَا مِنَ
النَّارِ صٰحِيْبِيْنَ (اعراف ۲۱)

اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں۔

یعنی شیطان نے حضرت آدم و حوا کے سامنے قسم کھا کر کہا کہ وہ ان دونوں کا خیر خواہ ہے۔

فَدَلَّهُمَا بِعُرُوْدٍ (۲۲) اور انہیں قریب سے اتار لایا
پھر آخر کار دونوں کو جنت سے نکلوا کر چھوڑا، لیکن تیرے حق میں وہ علانیہ دشمنی کا اظہار و اعلان کر چکا اور کہہ چکا ہے کہ:

فَبِعِزَّتِكَ لَا تُخَوِّتُهُمْ اٰجَعِيْنَ
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمْ
الْمُخْلِصِيْنَ۔

پس تیری عزت کی قسم ضرور میں ان سب کو گمراہ کروں گا مگر ان میں جو تیرے چنے ہوئے بندے

ہیں۔

(سورہ ص ۸۲، ۸۳)

جب اس کی نبیانت کا عالم یہ ہوا کہ اس نے خیر خواہی کی قسم کھا کر بھی حضرت آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوا کر چھوڑا تو وہ اولادِ آدم کے ساتھ کیا کرے گا جس کے گمراہ کرنے کی اس نے علانیہ قسم کھا رکھی ہے

گیارہواں نکتہ

تعوذ میں گیارہواں نکتہ یہ ہے کہ اس میں کلمہ "اعوذ باللہ" میں لفظ "اللہ" جو اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے اور بھی بہت سے صفاتی نام ہیں مثلاً غفور، شکور، رحیم وغیرہ ان میں سے کسی اسم کو یہاں ذکر نہیں کیا گیا۔ "اللہ" ہی کو یہاں زیادہ موزوں سمجھا گیا اس کی وجہ یا اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس اسم مبارک کو یہاں اس لیے لایا گیا کہ یہ اسم مبارک دوسرے اسم مبارک کی نسبت، معاصی اور نافرمانیوں سے زیادہ روکنے والا، یا بندوں کو معاصی سے روکنے میں اس کی تاثیر سب سے زیادہ ہے کیونکہ "اللہ" وہی ہو سکتا ہے جو عبادت کا مستحق ہو اور عبادت کا مستحق اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب وہ "قادر" (قدرت والا) علیم "علم والا" اور حکیم (حکمت والا) ان تینوں صفات والا ہو گیا بندہ کا "اعوذ باللہ" کہنا۔ "اعوذ باللہ العظیم الحکیم" کے کہنے کے قائم مقام و مترادف ہے یعنی اس ذات کی پناہ مانگتا ہوں جو ان تینوں صفات والا ہے اور یہ تینوں صفات یعنی قدرت والا ہونا علم والا ہونا اور حکمت و دانائی والا ہونا برائیوں سے روکنے میں انتہائی اثر رکھتی ہیں اور یہ اس لیے ہے کہ چور بادشاہ کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ قادر (قدرت والا) ہے وہ مجھے چوری کی سزا دے سکتا ہے اس کے باوجود وہ کبھی اس کا مال بھی چرا لیتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ بادشاہ قادر تو ہے مگر وہ عالم یا علیم (علم والا) نہیں کہ اس کو کسی کی خفیہ باتوں کا علم ہو لہذا انتہا ایک قادر (قدرت والی صفت والا) ہونا برائی

روکنے میں کافی نہیں بلکہ اس صفتِ قدرت کے ساتھ عالم (صفتِ علم کا ہونا ضروری ہے نیز قدرت و علم بھی برائی سے روکنے میں کافی نہیں بلکہ ان دونوں کے ساتھ حکیم (حکمت و دانائی والا) ہونا بھی ضروری ہے کیونکہ قدرت بھی ہو اور علم بھی مگر حکمت نہ ہو کہ بادشاہ جب برائی کو دیکھتا اور جانتا ہے مگر برائی سے روکتا نہیں ہے تو اس صورت میں بادشاہ کا موجود ہونا برائی سے مانع نہ ہوگا لیکن جب اسے قدرت حاصل ہو علم بھی رکھتا ہو اور حکمت و دانائی بھی جو برائیوں سے مانع ہے جس کا تقاضا برائیوں سے روکنا ہے۔ تو یہاں برائی سے رکاوٹ کا مل طور پر موجود ہوگی پس جب بندہ نے "اعوذ باللہ" کہا تو گویا اس نے یوں کہا کہ میں اللہ قادرِ علیم، حکیم کی پناہ مانگتا ہوں جو برائیوں میں سے کسی بھی برائی پر خوش نہیں ہوتا تو ضرور اس طرح برائیوں سے مکمل طور پر رکاوٹ حاصل ہوگی۔

بارہواں نکتہ

تعوذ میں بارہواں نکتہ یہ ہے کہ جب بندہ نے ”اعوذُ بِاللهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ“ کہا تو اس کا یہ کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ وہ شیطان کے ساتھ ہو اور وہ اس بات کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ شیطان خدا کے ذوالجلال کا نافرمان ہے اور اس کا نافرمان ہونا درحقیقت اس مسلمان کو نقصان پہنچاتا ہے۔ پس جب بندہ شیطان کے ساتھ ہونے کو پسند نہیں کرتا تو وہ عین برائی کے ساتھ ہونے اور اس کے ارتکاب کو بہ طریق اولیٰ ناپسند کرتا ہے اور یہ اس کے ایمان کی دلیل ہے لہذا بندے کا اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے بشرطیکہ اس میں کوئی اور ایسی خرابی نہ ہو جو اس کے ایمان کی نفی کرتی ہو۔

تیرہواں نکتہ

تعوذ میں تیرہواں نکتہ یہ ہے کہ ”شیطان“ ابلیس کا نام اور ”رجیم“ اسکی صفت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے شیطان کے نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ اسکی صفت کا بھی ذکر فرمایا۔ تو گو یا اس نے ارشاد فرمایا کہ یہ شیطان خدمتِ عبادت میں ہزار ہا سال مشغول رہا تو اے میرے بندے! کیا تو نے یہ سنا کہ اس نے ہمیں کوئی نقصان پہنچایا ہو یا اس نے کوئی ایسا کام کیا ہو جو ہمیں برا لگا ہو؟ پھر اس کے باوجود ہم نے اسے ٹھکرا دیا اور اپنی بارگاہ سے دور کر دیا لیکن تیرا حال یہ ہے کہ اگر شیطان تیرے ساتھ ایک کھڑے بیٹھے جائے تو تجھے ہمیشہ کی آگ میں پھینک دے۔

پس تو اس کے دور کرنے اور اس پر لعنت کرنے میں کیوں مشغول نہیں ہوتا؟ تو پس کہہ دے
 ”اعوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ“ لہذا بندہ مومن کہتا ہے ”اعوذُ بِاللّٰهِ مِنَ
 الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ“

چودھواں نکتہ

تعوذ میں چودھواں نکتہ یہ ہے کہ کوئی کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ ”اعوذ
 باللہ“ کی بجائے ”اعوذ بالملائکة“ کیوں نہیں کہا گیا۔ اس کے باوجود کہ فرشتوں
 میں سے سب سے کم درجہ کا فرشتہ شیطان کے دفع کرنے کو کافی ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس
 کتبے کے ذکر کے مقابلہ میں، اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ
 فرماتا ہے کہ اے میرے بندے! بے شک شیطان تجھے دیکھتا ہے اور تو اس کو
 نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَوَجِيْهَتُكُمْ مِنْ
 حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ (الاعراف: ۲۰)

بے شک اور اس کا کتبہ تمہیں وہاں سے
 دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے۔

اور اس کا داؤ تم پر اس لیے چل جاتا ہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے اور تم اسے
 نہیں دیکھتے بس تم اس ذات کے ساتھ چمٹ جاؤ جو شیطان کو دیکھتی ہے اور شیطان
 اسکو نہیں دیکھتا اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، لہذا کہو ”اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم“

حضرت ذوالنون مصری کی ہدایت

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
 نے جنوں کو ایسی قوت دی ہے کہ وہ انسانوں کو دیکھتے ہیں لیکن انسانوں کو اس بات
 کی قوت نہیں دی گئی کہ وہ جنوں کو دیکھ سکیں۔ چنانچہ حدیث شریف گزری کہ شیطان
 انسان کے جسم میں خون کے راستوں میں تیر جاتا ہے، حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ
 فرماتے ہیں کہ:

اگر شیطان ایسا ہے کہ وہ تمہیں دیکھتا ہے تم لے نہیں دیکھ سکتے تو تم ایسی ذات سے مدد چاہو جو اسکو وہاں سے دیکھتا ہے جہاں سے وہ لے نہیں دیکھ سکتا اور وہ اللہ قہار و سار ہے۔

إِنْ كَانَ هُوَ يَرَاكَ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَاهُ فَاسْتَعِنْ بِمَنْ يَرَاهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَرَاهُ وَهُوَ الْعَمَّارُ السَّارُّ
(تفسیر مظہری ج ۸ ص ۲۲۹)

پندرہواں نکتہ تعوذ میں پندرہواں نکتہ یہ ہے کہ "الشیطان" میں الف و لام جنس کا ہے جس میں تمام شیاطین شامل ہیں، کیونکہ شیاطین بہت ہیں، بعض دیکھنے میں آتے ہیں اور وہ شیاطین انس یعنی انسان نما شیطان ہیں، جو انسان کے بھیس میں ہیں بلکہ بزرگوں کے لباس میں، جو لوگوں کو ماضی کی مسلم بزرگ ہستیوں کی پیروی سے ہٹا کر لوگوں کو اپنی پیروی کی تلقین کرتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے دین کو آج کے نئے دور میں اور نئی روشنی میں ہم سمجھے ہیں وہ نہیں سمجھتے تھے لہذا وہ لوگوں کو "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" خدا کے انعام یافتہ بندوں کے راستے سے ہٹا کر اپنے من گھڑت راستے پر چلانے کی کوشش میں مصروف ہیں، یہ بھی شیاطین ہیں، لیکن نظر آنیوالے شیاطین۔ اور بعض شیاطین دیکھنے میں نہیں آتے اور وہ جنوں میں سے شیاطین ہیں، لیکن انسان نما شیاطین، جنوں کے شیاطین سے زیادہ خطرناک ہیں۔

شیطانوں کی مال مرومی ہے کہ ایک واعظ نے اپنی مجلس میں کہا کہ انسان جب صدقہ و خیرات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس ستر شیطان آجاتے اور اس کے ہاتھوں اور پاؤں اور دل کو چمپٹ جاتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے سے روکتے ہیں، قوم سامعین میں سے ایک شخص نے سنا تو بولا کہ میں ان ستر شیطانوں سے لڑوں گا اگر انہوں نے مجھے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکا۔

یہ کہہ کر مسجد سے نکلا اور گھر آیا اور اپنا دامن گندم سے بھرا اور گھر سے نکلنے کا ارادہ کیا تاکہ اسے اللہ کی راہ میں دیدے تو اسکی بیوی کودی اور اس سے رٹنے جھگڑنے لگی سچی کہ اس کے دامن سے گندم نکالنے میں کامیاب ہو گئی اور وہ شخص ناکام مسجد کو واپس لوٹ گیا۔ تو واعظ نے اس سے کہا کہ اے شخص تو نے کیا کیا؟ وہ بولا " میں نے شرعی قانون کو شکست دے دی تو ان کی ماں آگئی اس نے مجھے شکست دیدی اور " الشیطان " کے الف و لام کو عہدِ خارجی کا قرار دیا جائے تب بھی جائز ہے۔ کیونکہ تمام گناہ اس شیطان اکبر کی رضا مندی سے ہوتے ہیں، جو کسی کے کام پر راضی ہو وہ اس کام کے کرنے والے کے قائم مقام ہوتا ہے، گویا تمام شیطانوں کے کام اس شیطان اکبر کی طرف ہی منسوب ہوں گے کیونکہ یہ ان سے راضی اور خوش ہوتا ہے۔ گویا ان کے کام، اسی کے ہی کام ہیں۔ لہذا اس سے پناہ مانگنا ان سے پناہ مانگنا ہے۔

قرأت خلف الامام کا مسئلہ

یہاں اس مسئلہ کو ایک فقہی و شرعی مسئلہ کے ذریعے مزید واضح کر کے سمجھا جاسکتا ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک امام کی قرأت مقتدی کی ہی قرأت ہے اس حیثیت سے کہ مقتدی امام کی قرأت پر راضی اور اس کے پیچھے خاموش کھڑا ہوتا ہے اس لیے امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہو گیا۔ یہ مثال، اَلْاَشْيَاءُ تُعْرَفُ بِاَصْنَافِهَا "کے قاعدہ کے تحت بیان کی گئی ہے کہ اشیاء کی وضاحت کبھی ان کی ضد سے بھی کی جاتی ہے۔ قرأت نیک کام ہے جبکہ شیطان کے کام نیک نہیں برے ہیں، جو شخص کسی کے برے کام پر راضی اور خاموش ہوگا۔ وہ اس کے کرنے والا تصور ہوگا اور اس کے برعکس جو شخص کسی کے نیک کام پر راضی اور خوش ہوگا وہ اس کا کرنے والا قرار پائیگا۔ چنانچہ امام بزار حضرت ابن مسعود اور امام طبرانی ان سے اور سہل بن سعد رضی اللہ عنہما اپنی سند صحیح کے ساتھ روایت

کرتے ہیں اور امام احمد اور امام ابو یعلیٰ اپنی مسندوں میں اور امام ضیاء مقدسی مختارہ میں حضرت ابو بردہ سے اور امام ابن ابی الدنیا قضاء الخوانسار میں سند کے ساتھ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

الدَّالُّ عَلَى الْغَيْبِ كَفَّاهُ وَاللَّهُ يُحِبُّ إِعَاثَةَ الْكُفَّانِ -

والے کی طرح ان کو اب کا حق دار ہے اور

اللہ تعالیٰ غمزدوں کی مدد کرنے کو پسند فرماتا ہے۔ (الجامع الصغیر ج ۲ ص ۶)

جیسے نیک بات کی ترغیب دینے والا اس کے کرنیوالے کی طرح ثواب کا مستحق ہے ایسے ہی اس پر راضی اور خوش ہونے والا بھی۔ ایسے ہی برائی کی ترغیب دینے والا اس کے کرنے والے کی طرح عذاب کا مستحق ہے ایسے ہی اس پر خوش اور راضی ہونے والا بھی اس کے کرنے والے کے قائم مقام اور اسکی طرح سزا کا حق دار ہے۔

سولہواں نکتہ

تعوذ میں سولہواں نکتہ یہ ہے کہ "شیطان" "شطن" سے مانجوڑ ہے، جس کے معنی ہیں "دور ہوا" تو اس نام سے اس کے خدا رحمت سے اور اس کی بارگاہ بعبید ہونے کی خبر دی گئی ہے اور رہا مطیع و فرمانبردار شخص، تو وہ خدا تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بارگاہ کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وَاقْتَرِبْ" (علق ۱۹) "اور سجدہ کر اور ہم سے قریب ہو جاؤ"

اور اللہ تعالیٰ تمہارے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ (البقرہ : ۱۰۶)

اور اے محبوب جب تم سے میرے بند

بھلے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں۔

لیکن "رَجِيءٌ" بہ معنی مرجوم ہے، یعنی جس پر بدبختی اور لعنت کا تیر پھینکا گیا

اور اے بندے! تو تو سعادت مندی کی رسی کے ساتھ ملایا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَالزَّمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا (الفصح: ۲۶)

اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا اور وہ اس کے زیادہ حقدار اور اس کے اہل تھے۔

تو اس کلام نے اس بات پر دلالت کر دی کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو دور اور مردود بنا دیا اور اس نے تجھے قریب ملایا ہوا بنا یا پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اس شیطان کو جو بعید ہے قریب نہیں کرے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ،

وَلَنْ يَجِدَ لِسَانَ اللَّهِ تَبْدِيلًا
وَلَنْ يَجِدَ لِسَانَ اللَّهِ تَحْوِيلًا۔

تم ہرگز اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پاؤ گے اور ہرگز اللہ کے قانون کو ٹلتا نہ پاؤ گے۔

(فاطر: ۲۳)

پس تجھے معلوم ہو کہ اس نے جب تجھے قریب کیا تو وہ تجھے اپنی بارگاہ سے دور نہیں کرے گا اور نہ ہی تجھے اپنے فضل و رحمت سے دور کرے گا۔

سترہواں نکتہ

تعوذ میں سترہواں نکتہ وہ ہے جو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قراءۃ قرآن سے پہلے تعوذ ضروری ہے جبکہ باقی تمام عبادتوں میں تعوذ نہیں کہا جاتا (اعوذ بالله من الشیطن الرجیم) نہیں پڑھا جاتا) اور اس میں حکمت و فلسفہ یہ ہے کہ کبھی بندے کی زبان جھوٹ، غیبت اور چغل خوری سے نچر و پلید ہو جاتی ہے پس اللہ تعالیٰ نے تعوذ کا حکم دیا تاکہ اس کے ذریعے بندے کی زبان پاک ہو جائے تو بندہ پاک زبان کے ساتھ اس طیب و معکوس کلام کو پڑھے جو پاک پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا۔

اٹھارہواں نکتہ تلوذ میں اٹھارہواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ شیطان مردود ہے اور میں رحمن و رحیم ہوں پس تو شیطان رحیم سے دور ہوتا کہ رحمن و رحیم سے مل سکے۔

انیسواں نکتہ تلوذ میں انیسواں نکتہ یہ ہے کہ گویا اللہ تعالیٰ بندے سے فرماتا ہے کہ شیطان تیرا دشمن ہے اور تو اس سے غافل دلا پرواہ بنا ہوا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ اور اس کا کب نہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں سے تم انہیں نہیں دیکھ سکتے تو اس بنا پر شیطان تیرا دشمن غائب ہے اور تیرا ایک محبوب ہے جو غالب ہے۔ جیسا اس نے خود ارشاد فرمایا کہ:

وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ - اور اللہ اپنے امر پر غالب ہے

پس جب تیرا دشمن غائب تیرا قصد و ارادہ کرے تو محبوبِ غالب کی پناہ میں آجا۔ لہذا بندہ کا (اعوذ باللہ) کہنا۔ دشمن غائب سے بھاگنا اور محبوبِ غالب کی پناہ میں آنا ہے۔ (مفاتیح الغیب)

(وصلی اللہ علیہ و آلہ وبارک و سلم علیہ)

شیطان پر قدرت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ۔

ایک خبیث جن گزشتہ رات اچانک آگیا تاکہ مجھ پر میری نماز کو کاٹ دے پس اللہ نے مجھے اس پر قدرت دی تو میں نے اسے پکڑ لیا پس میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے ستونوں میں سے کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم سب کے سب اسے دیکھو پس مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا یاد آگئی۔ کہ اے میرے پروردگار مجھے ایسی بادشاہی عطا فرما کہ میرے بعد کسی اور کیلئے نہ ہو تو میں نے اسے ناکام واپس لوٹا دیا (صحیح بخاری ج ۱ ص ۶۶ و صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۰۵)

إِنَّ عِضْرِيَّتًا مِنَ الْجِنِّ
تَقَلَّتْ أَبَارِحَةَ لِيَقْطَعَ عَلِيٌّ
صَلَوَتِي فَأَمْكَنَتْنِي اللَّهُ مِنْهُ
فَأَخَذَتْهُ فَأَرَدَتْ أَنْ أَرْبِطَهُ
عَلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَادِي
الْمَسْجِدِ حَتَّى تَنْظُرُوا إِلَيْهِ
كُلُّكُمْ فَذَكَرْتُ دَعْوَةَ أَخِي
سُلَيْمَانَ دَتِ هَبْ لِي مَدِينًا
لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي
فَرَدَّتْهُ خَاسِتًا -

(متفق علیہ)

یعنی شیطان اچانک آگیا اور میرے دل میں دوسرے کے ذریعہ نماز میں خلل ڈالتا

چاہا تو میں نے اسے پکڑ لیا اور دوسری حدیث کے الفاظ یوں ہیں حضرت ابو داؤد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

قام رسول الله يُصَلِّي
 فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ اَعُوذُ بِاللَّهِ مِنْكَ
 ثُمَّ قَالَ اَلْعَنْتُ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثًا
 وَبَسَطَ يَدَهُ كَافَهُ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا
 فَلَمَّا فَرَّغَ مِنَ الصَّلَاةِ قَلْنَا يَا
 رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ
 فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهُ
 قَبْلَ ذَٰلِكَ وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَ يَدَكَ
 قَالَ اِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ تَعَالَى
 اَبْلِسَ جَاءَ بِشَرَابٍ مِنْ قَارِ
 لِيَجْعَلَهُ فِي دَجْرِي فَقُلْتُ
 اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثَلَاثَ
 مَرَّاتٍ ثُمَّ قُلْتُ اَلْعَنْتُ
 بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ
 فَلَمْ يَتَاخَّرْ ثَلَاثَ
 مَرَّاتٍ ثُمَّ اَرْدَتْ
 اِنَّ اَخْذَهُ وَاللّٰهُ
 لَوْلَا دَعْوَةُ اٰخِيْنَا
 سَلِيْمَاتٍ لَا صَبِيْحَ
 مَوْثِقًا يَلْعَبُ بِهِ
 وَلَدَاتِ اَهْلِ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے کھڑے
 ہوئے تو ہم نے آپ کو کہتے سنا " میں اللہ
 کی پناہ چاہتا ہوں تجھ سے " پھر تین بار
 فرمایا " میں اللہ کی لعنت کے ساتھ تجھے
 لعنت کرتا ہوں " اور اپنا ہاتھ مبارک
 آگے کو پھیلایا گویا کہ آپ کسی چیز کو پکڑتے
 ہیں۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوئے
 تو ہم نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول
 ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کہتے
 سنا کہ اس سے پہلے ہم نے آپ کو وہ کہتے
 نہیں سنا اور ہم نے آپ کو دیکھا کہ آپ
 نے اپنا ہاتھ مبارک آگے کو پھیلایا۔ فرمایا
 " اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا ایک شعلہ لایا
 تھا تاکہ اسے میرے چہرے (کی جہت)
 میں کرے اور میری توجہ نماز سے
 ہٹائے، بس میں نے تین بار کہا میں
 اللہ کی پناہ چاہتا ہوں تجھ سے پھر میں
 نے کہا کہ میں لعنت کرتا ہوں اللہ کی لعنت
 تاملہ (کاملہ) کے ساتھ پھر وہ سمجھے نہ ہوا
 تو میں نے تین بار کہا یا وہ تین بار کہنے
 کے باوجود سمجھے نہ ہوا پھر میں نے

المدینہ

(مسئو ج-۱ ص ۲۰۵)

ارادہ کیا کہ اے پکڑ لوں خدا کی قسم اگر ہمارے
بھائی سلمان کی دعا نہ ہوتی تو وہ یہاں مسجد
بنوی کے ستون کے ساتھ بندھا ہوا صبح
کرتا اس کے ساتھ مدینہ والوں کے بچے یہ

اس حدیث سے کئی ایک مسائل معلوم ہوئے۔ ایک کہ یہ جن موجود ہیں یعنی ان کا
وجود ہے دوسرے یہ کہ انہیں بعض آدمی بھی دیکھتے ہیں اور قرآن کریم کا فرمان کہ تم انہیں نہیں
دیکھ سکتے غالب احوال پر محمول ہے۔ تیسرے بطور تکیہ قسم کھانا اس کے بغیر کوئی قسم کھلانے۔
چوتھے شیطان پر لعنت کرنا۔ پانچویں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا کمال تصرف
و کمال قدرت سے نوازنا کہ شیطان خبیث بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گرفت سے نہیں
بھاگ سکتا۔ اور طبرانی و بیہقی و دارقطنی اپنی سندوں کے ساتھ حضرت جابر بن سمرہ
رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "کہ بیشک
شیطان میرے آگے سے گزر جانا چاہتا تھا۔ تو میں نے اس کا گلا گھونٹ دیا یہاں تک
کہ میں نے اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھوں پر پائی اور خدا کی قسم اگر میرے بھائی
سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف سبقت نہ کی ہوتی تو وہ مسجد کے ستونوں میں سے
ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوتا یہاں تک کہ اسے مدینے والوں کے بچے گھماتے
پھرتے" اور امام ابن ابی الدنیا مکائد الشیطان میں امام شعبی سے مرسل روایت کرتے
ہیں۔ اسی میں یوں ہے "بے شک شیطان میرے پاس آیا تو اس نے مجھ سے جھگڑا
کیا پھر جھگڑا کیا (یعنی نماز میں خلل ڈالنا چاہا) تو میں نے اسے حلق سے پکڑ لیا مجھے اس
ذات کی قسم میں نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا میں نے اسے نہ چھوڑا یہاں تک کہ میں
نے اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھوں پر پائی اور اگر سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو شیطان
مسجد میں ڈالا اور پھینکا ہوا پڑا ہوتا"

اور امام احمد کی مسند میں حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا۔
 "کہیں تم مجھے اور ابلیس کو دیکھتے ہیں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔
 اور اسے گردن سے پکڑ لیا، پس اس کا گلا گھونٹا چلا گیا حتیٰ کہ اس
 کے لعاب کی ٹھنڈک میں نے اپنی ان دو انگلیوں کے درمیان پائی
 اور اگر میرے بھائی سلیمان کی دعائے ہوتی تو صبح کو ابلیس مسجد کے
 ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ بندھا ہوتا اس کے ساتھ
 مدینہ منورہ کے بچے کھیلنے ہوتے تو تم میں سے جس شخص سے ہو سکے
 کہ نماز کے دوران، اس کے اور قبلہ کے درمیان کوئی حائل نہ ہو
 تو ضرور کرے۔"

اور ابن مسعودؓ کی روایت میں یوں بھی ہے کہ جب میں نے اس کا گلا گھونٹا
 تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے مجھے درد کر دیا۔ آپ نے مجھے درد کر دیا اور ایک
 روایت میں ہے کہ "شیطان آیا تو میں نے اسے مہکا دیا اور اگر میں اسے پکڑ لیتا
 تو مسجد کے ستونوں میں سے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیتا حتیٰ کہ مدینہ والوں کے
 بچے اس کی طرف دیکھتے۔" اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے شیطان کو
 نہ پکڑا بلکہ مہکا دیا۔ لیکن دوسری روایت سے پکڑنا ثابت ہے۔ اس کا جواب
 یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات متعدد بار پیش آئے کبھی آپ نے اسے مہکا دیا۔
 اور نہ پکڑا اور کبھی اسے پکڑ لیا اور اس کا گلا گھونٹا۔ چنانچہ تمام روایات کے
 اختلاف الفاظ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ ایسے واقعات متعدد بار پیش
 آئے اور امام عبد بن حمید اور امام ابن مردودہ حضرت ابوسعید خدریؓ رضی اللہ عنہ
 سے روایت کرتے ہیں کہ:-

میں صبح کی نماز کے لیے نکلا تو شیطان مجھے مسجد کے دروازے پر بلا

تو مجھ سے مقابلہ کرنے لگا یہاں تک کہ میں اس کے بال کے چھونے کے اثر کو پانا ہوں۔ (یعنی اس کے بالوں میں کوئی ایسا ٹھنڈک وغیرہ کا اثر ہوگا) پس میں اس پر غالب آ گیا تو میں نے اس کا گلا گھونٹا یہاں تک کہ میں اس کی زبان کی ٹھنڈک اپنے ہاتھ پر محسوس کر رہا ہوں۔ (یعنی گلا گھونٹنے سے اس کی زبان باہر کو نکل آئی ہے)

کو نکل آئی) پس اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا نہ ہوتی تو شیطان صبح کو قتل ہوا پڑا ہوتا، لوگ اس کو دیکھتے یہ کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۵ تا ۲۵۶) ملا علی قادری لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہی حکو و قوت ^{مست} بخش تھی جو سلیمان علیہ السلام کو جنوں پر بخشی تھی۔ (بلکہ حکومت سلیمان حکومت مصطفیٰ صلی اللہ علیہا وبارک کا عکس و پرتو تھا۔ (مرقاۃ ج ۲ ص ۳۳۳/۳۳۴)

حضور کے غلاموں کی قدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اللہ تعالیٰ

نے حضور کے غلاموں کو بھی جو علم و عمل

میں حضرت کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں، شیطان کے مقابلہ میں روحانی طاقت و قوت

اور بہت قدرت بخشی ہے جن سے وہ بھی شیطان پر غالب آجاتے ہیں۔ حضرت عمارہ

کا واقعہ اسکی مثال کافی ہے۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی شیطان کشتی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ ہم ایک جگہ اترے تو میں نے اپنا شکیزہ اور ڈول لے لیا تاکہ میں جا کر پانی لے آؤں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار پانی پر کوئی آئیگا اور تمہیں پانی لینے سے روکے گا۔ حضرت عمار فرماتے ہیں، جب میں کنوئیں پر پہنچا تو ایک کالے رنگ کا مرد ہاں آگیا جس کا رنگ انتہائی کالا تھا اور کہنے لگا، خدا کی قسم میں تمہیں آج اس کنوئیں سے پانی نہیں لینے دوں گا پس اس نے مجھے پکڑ لیا اور میں نے اسے پکڑ لیا اور ہم میں کشتی شروع ہو گئی آخر میں نے اسے گرا لیا اور پتھر اٹھا کر اس سے اس کا منہ اور ناک پھوڑ ڈالا اور مشک پانی کی بھیر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آگیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کیا پانی پر کوئی تمہارے پاس آیا تھا؟ پس میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کشتی کا سارا واقعہ سنایا۔ آپ نے فرمایا: **أَتَدْرِي مَنْ هُوَ؟ قُلْتُ، لَا۔ قَالَ** کیا تم جانتے ہو کہ وہ کون تھا؟ میں نے **ذَلِكَ شَيْطَانٌ** (آکام الموحان ص ۱۱) عرض کی، نہیں۔ فرمایا وہ شیطان تھا۔

امام ابو نعیم اصفہانی علیہ الرحمۃ کی سند کے ساتھ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا "خدا کی قسم عمار بن یاسر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں جنوں و شیطانوں اور انسانوں سے خدا کی راہ میں لڑائی کی ہے۔ تو ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ کیسے؟ فرمایا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے تو آپ نے عمار بن یاسر سے فرمایا، "چلو ہمارے لئے کچھ پانی بھر لاؤ" عمار پانی لینے گئے تو شیطان ایک کالے غلام کی صورت میں ان کے سامنے آگیا اور ان کے اور پانی کے درمیان حائل ہو گیا تو عمار نے اسے پکڑ کر نیچے گرا لیا۔ پس اس نے

کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں تمہارے اور پانی کے درمیان حائل نہ ہوں گا۔ عمار نے اسے چھوڑ دیا تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور پانی لینے سے منع کرنے لگا تو عمار نے اسے دوسری بار پکڑ لیا اور نیچے گرا دیا تو وہ بولا کہ مجھے چھوڑ دو میں پانی سے نہیں روکوں گا۔ عمار نے اسے چھوڑ دیا لیکن اس نے پھر منع کیا عمار نے اسے پھر گرا دیا حتیٰ کہ اس پر غالب آگئے اور پانی بھر لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے آنے سے پہلے ہمیں بتا دیا کہ:

ان الشیطان قد حال بین عمار
وبین الماء فی صورة عبد اسود
وان الله اظفر عمارا به۔
(آکام المرجان ص ۱۱۹، ۱۱۸)

بے شک شیطان ایک چالے کلوٹے
غلام کی شکل میں عمار اور پانی کے درمیان
حائل ہو گیا اور بے شک اللہ نے عمار کو
اس پر کامیاب کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عمار واپس آئے اور ہم ان سے ملے تو میں نے ان سے کہا اے ابوالیقظان! (یہ عمار کی کنیت ہے) اللہ تعالیٰ نے تمہیں شیطان پر غالب کر دیا کیونکہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ تمہیں پیش آیا وہ سب کچھ بتا دیا ہے۔ تو حضرت عمار یہ سن کر حیران رہ گئے اور کہنے لگے خدا کی قسم اگر مجھے معلوم ہوتا کہ وہ شیطان تھا تو میں اسے قتل کر دیتا لیکن میں نے اسے پچھاڑ کر ارادہ کیا تھا کہ اگر اس کے ناک کی بدبو نہ ہوتی (جو میں نے محسوس کی تھی) تو میں اس کا ناک چبا دالتا۔ (آکام المرجان ص ۱۱۹)

افادیت اس واقعہ سے کئی ایک مسائل معلوم ہوئے ایک یہ کہ حضرت عمار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہونے اور آپ کے فیضانِ صحبت سے اس قدر روحانی طاقت رکھتے تھے کہ شیطان مردود ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔ دوسرا یہ کہ شیطان،

کبھی انسان کی صورت میں بھی آسکتا ہے۔ تیسرا یہ کہ شیطان نیکی سے منع کرتا ہے۔ چوتھا یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے عینک کا علم عطا فرمایا ہے۔ پانچواں یہ کہ صحابہ شیطان کے دشمن اور شیطان صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ہے۔ چھٹا یہ کہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کے غلبہ اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کھلے ہر طغوتی طاقت سے جنگ کی اور یہی تعوذ "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم" کا درس دیتا ہے۔

ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا

بدرالدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ شبلی حنفی متوفی ۷۶۹ھ علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "آکام المرجان فی غرائب الاخبار و احکام الجان" میں لکھتے ہیں کہ امام ابو الوفا علی بن عقیل کتاب الارشاد میں فرماتے ہیں کہ ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے:

وَإِذْ قُلْنَا الْمَلَائِكَةُ اسْجُدُوا
لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ
(البقرہ)

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا)

اور استثناء درحقیقت غیر جنس سے نہیں ہوتا، لنت عرب میں یہی مشہور ہے رہا یہ کہ قرآن میں یہ بھی ہے "کان من الجن" کہ وہ جنوں سے تھا تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن بھی فرشتوں کا ایک نوع و قسم ہے، جیسے فرشتوں کے ایک نوع کو "الکفر و میون" اور "الروحانیون" اور "الخننہ" اور "الذبانیہ" کہا جاتا ہے جبکہ جنس سب کی ایک ہے جو مختلف انواع پر مشتمل ہے۔ جیسے آدمی سب ایک جنس ہیں لیکن ان کے انواع مختلف ہیں۔

مثلاً عربی، عجمی، زنگی، اس کی مثال ایسے ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں نے اپنے تمام غلاموں کو خدمت کا حکم دیا تو سب نے خدمت کی مگر فلاں نے نہ کی تو وہ زنگی (کا لاصبثی) تھا اس نے مری نافرمانی کی، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ زنگی دوسرے غلاموں کا ہم جنس ہی نہ تھا۔ بلکہ ہم جنس تھا مگر دوسرے غلاموں سے نوعیت میں مختلف تھا۔ اکثر مفسرین کے نزدیک سیدنا عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ اور عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کی ایک جماعت اور سعید بن مسیبؓ اور دیگر حضرات کا بھی یہی مذہب ہے کہ شیطان فرشتوں سے ہے اور تمکلیں کی ایک جماعت کا یہی قول ہے اور امام ابوالحسن اشعریؒ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام ابو بکر نے کتاب التفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ و ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابلیس کو دنیا کے آسمان کی بادشاہی دی گئی اور وہ فرشتوں کے ایک قبیلہ سے تھا جنہیں "جن" کہا جاتا ہے اور ان کو جن اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ جنت کے خازن ہیں اور ابلیس بھی اپنی بادشاہت کے باوجود جنت کا خازن بھی تھا۔ سیدنا ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ شیطان (ابلیس) قبیلہ کے اعتبار سے سب فرشتوں سے بزرگ ترین اور جنت کا خازن تھا اور اس کے پاس زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ فرشتوں کا ایک قبیلہ یعنی نوع یا قسم ہے جنہیں جن کہا جاتا ہے اور ابلیس ان میں سے تھا اور یہ زمین اور آسمان کے درمیان سیاست (بادشاہی) کرتا تھا۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں ان دس فرشتوں میں سے دسواں فرشتہ تھا جنہیں ہوا پر مقرر کیا گیا (تلخیص ما ذکرہ فی کتاب اکام المرجان)۔

(ص ۱۰۳ تا ۱۰۶)

کیا گ مٹی سے افضل ہے شیطان نے جب حضرت آدم علیہ السلام

کو سجدہ نہ کیا تو اس سے اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ تو نے حضرت آدم کو سجدہ کیوں نہ کیا؟
 تو اس نے جواب دیا کہ میں حضرت آدم سے بہتر ہوں، کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا
 اور آدم کو مٹی سے۔ اس سے ابلیس (شیطان) کی مراد یہ تھی کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔
 اب سوال یہ ہے کہ کیا واقعی آگ مٹی سے افضل ہے؟ اور کیا شیطان کی یہ بات درست
 ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کا یہ کہنا غلط ہے کہ آگ مٹی سے افضل ہے۔
 بلکہ اس کے برعکس آگ مٹی سے افضل ہے اور اس پر دلائل درج ذیل ہیں۔ (کما
 ذکر ہانی الاکام)

مٹی آگ سے افضل ہے

پہلی دلیل ! اس سلسلے میں پہلی دلیل یہ ہے کہ آگ کی طبیعت میں فساد
 خرابی ہے کیونکہ یہ جس چیز سے لگ جائے اسے جلا ڈالتی ہے یا اسے پگھلا دیتی
 ہے جبکہ مٹی ایسی نہیں ہے۔

دوسری دلیل دوسری دلیل یہ ہے کہ آگ کی طبیعت میں ہلکا پن ہے اور
 طیش و تیزی ہے جبکہ مٹی کی طبیعت میں ہلکا پن نہیں ہے بلکہ اس میں وزن اور
 بھاری پن ہے اور سکون و ثبات اور قرار ہے۔

تیسری دلیل تیسری دلیل یہ ہے کہ مٹی میں تکتا کون ہے کہ اس سے چیزیں
 بنتی ہیں اور اس سے حیوانوں کی روزیاں اگتی ہیں اور خوراک پیدا ہوتی ہے اور
 اس سے وہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں جن سے بندوں کے لباس اور زینت کے سامان
 تیار ہوتے ہیں اور ان کی روزی کے آلات تیار ہوتے ہیں اور اس سے بندوں
 کے گھر تیار ہوتے ہیں لیکن آگ سے یہ چیزیں نہیں ہوتیں۔

چوتھی دلیل چوتھی دلیل یہ ہے کہ مٹی حیوانوں کے لیے نہایت ہی ضروری ہے وہ اس سے اور جو چیزیں اس سے بنتی ہیں ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتے لیکن اس کے برعکس ان کو آگ کی حاجت اس قدر نہیں ہوتی اور انسان تو خاص کر کئی دن بلکہ کئی کئی ہفتوں تک اس سے بے نیاز رہ سکتے ہیں۔

پانچویں دلیل پانچویں دلیل یہ ہے کہ آگ میں کسی چیز کا بیج رکھا جائے تو زمین سے کئی گنا بڑھا کر باہر نکالتی ہے جبکہ آگ میں کسی چیز کا بیج رکھا جائے تو وہ پیدا کرنے کی بجائے جلا کر رکھ کر دیتی ہے اور امانت میں خیانت کرتی ہے۔

چھٹی دلیل چھٹی دلیل یہ ہے کہ آگ اپنے وجود کو خود قائم نہیں رکھ سکتی بلکہ وہ مٹی کی محتاج ہے۔ جبکہ مٹی آگ کی محتاج نہیں بلکہ وہ اپنا وجود خود قائم رکھے ہوئے ہے۔

ساتویں دلیل ساتویں دلیل یہ ہے کہ آگ پر ہوا غالب ہے۔ ہوا کے تیز جھونکے آگ کے شعلوں کو دوسری طرف جھکا دیتے ہیں بلکہ اڑا کر لے جاتے ہیں۔ بلاشبہ آگ ہوا کا مقابلہ نہیں کر سکتی اور ہوا کے معنی عربی زبان میں خواہش کے ہیں۔ گو یا آگ ہوا (خواہش) کے ساتھ بھاگتی ہے اس لیے شیطان اور اس کے زیر فرمان ہوا و خواہش کے بندے ہیں۔ جبکہ مٹی ہوا کو روک دیتی ہے بلکہ ہوا مٹی سے ٹکرا کر واپس لوٹ جاتی ہے یا دوسری طرف پھرتی ہے اور اس سے بنا ہوا انسان جو اپنی اصل (مٹی) کی طرح جو ان کی فطرت کا حصہ ہے متواضع و منکسر ہیں وہ ہوا (خواہش) کے ساتھ نہیں بھاگتے بلکہ اسے روک لیتے ہیں۔

آٹھویں دلیل آٹھویں دلیل یہ ہے کہ مٹی سے خدا تعالیٰ کا گھر بنا ہے اور اس میں اس کے مقبول بندے دفن ہیں جو قیامت کے دن وہاں سے باہر تشریف لائیں گے۔ لہذا مٹی آگ سے افضل قرار پاتی ہے اور شیطان کا خیال باطل و غلط ٹھہرتا ہے۔

شیطان دوسرے کیسے ڈالتا ہے اس بات کی وضاحت بھی ضروری

معلوم ہوتی ہے کہ شیطان، دلوں میں دوسرے کیسے ڈالتا ہے؟ حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے کہ:

اللَّهُمَّ اَعْمُرْ قَلْبِي مِنْ وَسَاوِسِ
ذِكْرِكَ وَاطْرُدْ عَنِّي وَسَاوِسِ
الشَّيْطَانِ (الآكام: ۱۶۳)

اے میرے اللہ! میرے دل کو اپنے ذکر
کے خیالات سے آباد فرما اور شیطان کے
خیالات کو مجھ سے دور رکھ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا اور اسی طرح کی دوسری دعائیں اور استعاذے امت کی تعلیم کے لئے ہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اس بات سے پاک تھی کہ شیطان آپ کے دل اقدس پر دوسرے (برا خیال) ڈالتا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے "الْوَسْوَسُ الْخَنَّاسُ" (سورہ الناس) کی تفسیر میں مروی ہے کہ شیطان کی شکل نیولے کی سی ہے۔ شیطان بندے کے دل پر منہ رکھے ہوئے ہے اسکی طرف دوسرے (بڑے خیالات) ڈالتا ہے تو بندہ جب اللہ کا ذکر کرتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتا ہے اور اگر وہ ذکر سے خاموش ہو جائے تو وہ اسکی طرف لوٹ آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صاحبین بندے دنیا کے معاملات میں مشغول ہونے کے باوجود یا دُضَل سے غافل نہیں ہوتے اس لیے شیطان ان سے ناامید ہو جاتا ہے۔

حضرت عیسیٰ کی دُعا

عروہ بن رویم سے مروی ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ وہ اسے ابن آدم (انسان) کی وہ جگہ دکھائے جہاں سے شیطان دوسرے ڈالتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دکھایا کہ شیطان کا سانپ کی طرح سر ہے اس نے اپنا سر بندے کے دل کے عین درمیان کی جگہ پر رکھا ہوا ہے۔ تو بندہ جب اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان اپنا سر پیچھے ہٹا لیتا ہے اور جب یادِ الہی سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان دوسرے ڈالتا شروع کر دیتا ہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ سے مروی کہ ایک شخص نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اسے جسم انسانی کی وہ جگہ دکھائے جہاں سے شیطان دوسرے ڈالتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے دکھایا کہ ایک صاف مشافف انسانی جسم ہے جس کے اندر کو باہر سے دیکھا جاسکتا ہے اور شیطان مینڈک کی صورت میں اسکے دل کے متوازی بائیں کندھے کے نیچے کی باریک ہڈی کے پاس ہے، شیطان کی سونڈ جیسے مچھر کی سونڈھ ہوتی ہے اس نے وہ سونڈھ اس کے دل کی طرف اس کے کندھے میں داخل کر رکھی ہے بس جب بندہ ذکر کرتا ہے تو وہ پیچھے کو ہٹ جاتا ہے۔ امام ہسپل فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے کے نیچے کی باریک ہڈی کے پاس مہر نبوت تھی کیونکہ آپ شیطان کے دوسرے سے معصوم ہیں گو یا یہ مہر اس بات کی علامت تھی کہ یہاں سے شیطان کے لیے دوسرے ڈالنے کا راستہ بند ہے اور مہر لگی ہوئی ہے جسے شیطان نہیں توڑ سکتا اور انسان کے دل کی طرف دوسرے ڈالنے کا شیطان کے لیے یہی راستہ ہے۔

کیا اللہ تعالیٰ نے ابلیس شیطان کو براہِ راست گفتگو فرمائی ہے؟

امام ابن عقیل حنبلی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی سوال کرے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے

ابلیس شیطان سے براہ راست گفتگو فرمائی؛ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں علماء کرام اصولیوں کا اختلاف ہے تو ان میں سے محققین کہتے ہیں کہ براہ راست گفتگو نہیں فرمائی اور بعض کہتے ہیں فرمائی تھی۔ اور صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے براہ راست اور روبرو بات نہیں فرمائی اور یہ ممکن ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روبرو بات فرمائی ہو ہاں اس سے جو بھی بات فرمائی ایک فرشتے کے ذریعے فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے براہ راست گفتگو فرمانا اسکی مہربانی، نوازش، عنایت و رضا مندی اور خوشی کا اظہار ہے جس میں اس بندے کا اعزاز، تعظیم اور تکریم ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بعض انبیاء سے ہم کلام ہونے کو ان کے لیے وجہ فضیلت اور خصوصی شان کا موجب ٹھہرایا۔ اور شیطان ابلیس اس تعظیم کا نہ مستحق تھا اور نہ ہی کسی فضیلت و خصوصیت کے لائق۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس سے براہ راست کلام نہیں فرمائی چنانچہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کفار سے کلام کرے گا قرآن سے ثابت ہے لیکن اس کا یہ کلام کرنا، براہ راست نہ ہو گا بلکہ فرشتوں کے ذریعے ہو گا چنانچہ جہاں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے کلام کرے گا کہ وہ کہاں ہیں جنہیں تم میرا شریک اعتقاد کرتے تھے؟ اس سے بالواسطہ کلام ہے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا:

لَا يَكْتُمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ " کہ اللہ تعالیٰ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا۔ یعنی براہ راست اور بلا واسطہ کلام نہیں فرمائے گا۔ البتہ خطاب عام میں وہ داخل تھا جنہیں اس نے سجدہ کافرشتوں کو حکم فرمایا جیسے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے مخاطب ہوتا اور احکام کی تعمیل کا حکم فرماتا ہے اس سے کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے براہ راست گفتگو فرمائی (ذکر ہانی الآکام)

شیطانی وسوسہ کی طرون تو جہود حدیث شریف میں ہے کچھ لوگوں کو وضو کے

بعد پیشاب کے قطرہ آنے کا احساس ہوتا ہے، اور محسوس ہوتا ہے کہ کپڑا گیلیا ہو گیا اور کچھ لوگوں کو وہم ہوتا ہے کہ ہوا خارج ہوئی لیکن یہ شیطانی وسوسہ ہوتا ہے اس کا مقصد بندے کو کسی نہ کسی بہانے سے عبادت سے روکنا ہے لہذا اس کا علاج یہ ہے کہ قطرہ کے وہم کو دور کرنے کے لیے استنجا کے بعد آگے پانی کے پھینٹے مار دیا کریں، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ پیشاب کے قطرہ سے کپڑا گیلیا ہوا ہو گا اور ہوا کے خارج ہونے اور دھنولٹھٹنے کا اس وقت تک یقین نہ کریں جب تک کہ بومحسوس نہ ہو یا آواز سنائی نہ دے۔

دلوں کے وسوسے اور بدگمانی

شیطان لوگوں کے دلوں میں

وسوسے ڈالتا اور دوسروں کے بارے میں بدگمانی پیدا کرتا ہے، کہ فلاں شخص ایسا ہو گا یا ایسا ہے یعنی اسکی طرف بلا ثبوت شرعی برائی یا گناہ کی نسبت کرنا، یہ ناجائز بلکہ حرام ہے حدیث شریف میں ہے "خُذُوا بِالْمُؤْمِنِينَ خَيْرًا أَوْ كَمَا قَالَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - کہ مسلمانوں کے حق میں نیک گمان کیا کرو اور قرآن مجید میں ہے "إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ" کہ کچھ گمان گناہ ہیں۔ کیا معلوم آپ جو کسی کے بارے میں غلط گمان کر رہے ہیں یہی وہی گمان ہو جسے قرآن کریم گناہ قرار دے رہا ہے۔ حتیٰ کہ محض افواہوں یا خبروں کے ذریعے بھی کسی مسلمان کی طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا شیطانی فعل اور حرام و ناجائز ہے۔ اس لیے حدیث میں ایسے شخص کو تھوٹا قرار دیا گیا جو محض سنی سنائی بات کو دوسروں تک پہنچاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مورخین کے محض تاریخی بیانات و تذکرے جن میں اسلام کی مسلمہ شخصیتوں، صحابہ کرام و تابعین و علماء و ائمہ دین متین بزرگان اہل سنت کے خلاف مواد پایا جاتا ہے جسکی کوئی بہتر توجیہ یا ان کے شایان شان تاویل نہیں ہو سکتی سب شیطان کی اڑائی

ہوئی باتیں اور اسکی پھیلائی ہوئی بدگمانیاں ہیں جن پر یقین کرنا بلکہ ان کا تصور کرنا بھی ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے۔

شیطان کی کوشش اور سوسہ

حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ شیطان انسان کے راستہ پر آتا ہے جب کوئی شخص اسلام لانا چاہتا ہے تو شیطان اسے اسلام سے روکتا اور کہتا ہے کہ تو اسلام لانا چاہتا ہے، اپنے پنے باپ دادا کے دین کو چھوڑنا چاہتا ہے تو اس نے شیطان کا کہنا نہ مانا اور سلام قبول کر لیا تو اس کے ہجرت کے راستہ پر جا کھڑا ہوا اور کہا کہ کیا تو ہجرت کرنے لگا ہے اپنے اور اپنے باپ دادا کے وطن کو چھوڑ رہا ہے، اس نے اس کا کہنا نہ مانا اور ہجرت کر لی تو اسکو جہاد پر جانے سے روکنے جہاد کے راستہ پر کھڑا ہوا اور کہا کہ یہ بڑا مشقت کا کام ہے جان اور مال کا اندیشہ ہے مرنے کے تو قتل کئے جاؤ گے تمہارے بعد تمہاری بیوی کسی اور سے نکاح کرے گی تمہارا ترکہ و تمہاری جائیداد تقسیم کی جائے گی، اس نے اس کا دوسرے قبول نہ کیا اور اس کا کہنا نہ مانا اور اس کی نافرمانی کر کے جہاد کو روانہ ہو گیا (تو شیطان بیجا خامس اور ناکام رہ گیا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس نے ایسا ہمت و جرات کا مظاہرہ کیا (نیکی کے کام میں شیطان کے درغلانے میں نہ آیا نیک کام کر گذرا۔ جان و مال کو خدا کے حوالے کر دیا اور اس کے راستہ میں دے دیا) تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اس کا حق ہو گیا کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور اگر قتل ہو گیا تو اس کا اللہ کے فضل و کرم پر حق ہو گا کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اور اگر اسی کے لیے سفر کر رہا تھا اور ڈوب گیا تو اس پر بندہ کا حق ہو گیا کہ اسے جنت میں داخل کرے اور اگر اسکی رضا ہوئی

کے لیے سفر کرتے جانور سے گر گیا (یا کسی اور طریقہ کے حادثہ میں جاں بحق ہو گیا تو اسے شہادت کا درجہ نصیب ہو گا) تو اس کا اللہ پر حق ہو گا کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔

شیطانی دوسو کے چھ درجے

شیطانی دوسو کے چھ درجے ہیں جن کی ترتیب

درج ذیل ہے۔

پہلا درجہ شیطانی دوسو کا پہلا درجہ جہاں سے شیطان دوسو کی ابتداء کرتا ہے وہ کفر و شرک اور اللہ و رسول کے ساتھ عداوت و دشمنی پیدا کرتا ہے یعنی شیطان سب سے پہلے یہ کوشش کرتا ہے کہ انسان کے دل میں کفر، ارتداد اور شرک و نفاق پیدا کرے اور اس کو اسلام سے برگشتہ کرے اور کافر و مشرک و مرتد بنا دے۔ پس اگر وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو اسے ٹھنڈک پڑ جائی اور آرام آجاتا ہے۔

دوسرا درجہ شیطانی دوسو کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کو کفر و شرک کی طرف مائل کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو اسکی دوسرے درجہ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ اسے صحیح العقیدہ نہ رہنے دے لہذا وہ اسے بدعت و گمراہی پر مبنی عقائد و خیالات کی طرف مائل کرتا ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیمات و اجماع امت کی اتباع اور سواد اعظم کے راستے پر چلنے سے اسکو منحرف کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تعلیم کردہ جو دعائیں پانچوں نمازوں میں مانگتے ہیں اور سیدھے راستے پر چلائے جانے کی خدا سے التجا کرتے ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ

الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

(ان لوگوں کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا)

(الفاتحہ ۵)

شیطان ملعون اس راستے سے دور لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور یہ راستہ اہل سنت و جماعت کا ہے۔ ائمہ اربعہ اور ان کے پیروکاروں کا راستہ، زمانہ قریب کے شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی و شاہ احمد رضا بریلوی علیہما رحمۃ اللہ ایسے بزرگوں کا بتلایا ہوا راستہ ہی صراطِ مستقیم ہے جس سے شیطان بہکانے کی کوشش کرتا ہے یعنی اگر کفر کرنے میں شیطان کا میاں نہ ہوا تو اس کے بعد گمراہ عقائد میں پھسلانے اور اہل سنت کے خلاف غلط عقائد اختیار کرانے کی کوشش کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں بہتر فرقے اہل سنت سے نکل کر گمراہ ہو گئے۔ یہ بہتر فرقے بدعتی اور جہنی فرقے ہیں اور عقائد کی بدعت، گمراہی، عملی خرابی سے کئی درجے بدتر ہے کیونکہ اس سے دین و ایمان کو نقصان پہنچتا ہے جبکہ عملی کوتاہی سے نفسِ ایمان کو نقصان نہیں پہنچتا۔ البتہ اس سے انسان گنہگار ہوتا ہے۔ حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ:

البدعة احب الی ابلیس من	بدعت ابد عقیدگی (شیطان کو بد عملی سے
المعصية لان المعصية تياب منها	زیادہ پسند ہے کیونکہ بد عملی سے توبہ کی جاتی ہے
والبدعة لا تياب	اور بد اعتقادگی سے توبہ نہیں کی جاتی۔

(الآکام ص ۶)

لہذا جب شیطان کی یہ کوشش بھی ناکام ہو جاتی ہے کہ وہ کسی کو بد اعتقادی میں مبتلا کرے تو پھر وہ بد عملی کی طرف پلٹ آتا ہے۔

تیسرا درجہ بد عملی کا درجہ تیسرا ہے کہ جب شیطان کسی کو گمراہ اور گمراہ تک کرنے سے ناکام ہو جاتا ہے۔ تو اسے بد عمل بنانے کی کوشش کرتا ہے اور بد عملی میں سر فرست کبیرہ گناہ ہیں جن کے ارتکاب سے شیطان انسان کو اکباتا ہے۔

کبیرہ گناہ رہا یہ سوال کہ کبیرہ گناہ کس کو کہتے ہیں؟ اس کے جواب میں علماء کی متعدد

آراء و اقوال ہیں جن میں سے مشہور قول یہ ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعید و سزا بتائی یا لعنت فرمائی گئی ہے وہ سب کبیرہ ہیں جیسے زنا، چوری، شراب نوشی، سود خوری، بہتان تراشی، قتل اور غیبت وغیرہ۔

چوتھا درجہ

اگر شیطان کسی کو کبیرہ گناہ میں مبتلا کرنے میں ناکام ہو جاتا ہے تو اسے صغیرہ گناہوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور صغیرہ گناہ جب کسی کے عمل نامہ میں جمع ہو جاتے ہیں تو وہ کبیرہ ہو جاتے ہیں جن سے انسان خدا تعالیٰ کے قہر و غضب کا نشانہ ہو کر برباد ہو جاتا ہے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ توبہ سے کبیرہ، کبیرہ نہیں رہتا یعنی معاف ہو جاتا ہے اور اصرار سے صغیرہ، صغیرہ نہیں رہتا چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ

صغیرہ (چھوٹے چھوٹے) گناہوں سے
بھی بچو کیونکہ وہ آدمی پر جمع ہو جاتے ہیں
حتیٰ کہ اسے برباد کر دیتے ہیں۔

رَايَاكُمْ وَ مُحَقَّرَاتِ الذُّلُوبِ :
فَاِنَّهِنَّ يَجْتَمِعْنَ عَلَى الرَّجُلِ حَتَّى
يُهْدِكُنَّ اِلَيْهِ

(جامع صغیرہ ص ۱۱۶)

پانچواں درجہ

اگر شیطان کسی کو چھوٹے چھوٹے گناہوں میں مبتلا کرنے سے بھی مایوس ہو جائے تو وہ انسانوں کو ایسے کاموں میں لگانے کی کوشش کرتا ہے کہ جن میں اگرچہ اسے گناہ نہ ہو لیکن ثواب بھی نہ ہوگا۔ ان کاموں کو شریعت کی اصطلاح میں "مباحات" کہا جاتا ہے یعنی جن کا کرنا گناہ بھی نہیں اور ثواب بھی نہیں، اس میں شیطان کا مقصد اسے ایسے کاموں سے باز رکھنا اور روکنا ہے جن کے کرنے سے بندے کو ثواب ملتا ہے بلکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک مسلمان کیلئے یہ بات بھی عذاب سے کم نہیں کہ اس سے ایسے کام ہوں یا وہ ایسا مشغلہ اختیار کرے جس میں اسکو ثواب ملے

یا اس میں اسکی آخرت کا فائدہ نہ ہو۔

چھٹا درجہ پھر اگر شیطان اس بات سے بھی مایوس ہو جائے کہ انسان کو لا یعنی اور بے کار کاموں میں لگائے جس کے کرنے سے نہ ثواب ہو اور نہ گناہ۔ اور بندہ بہر صورت ثواب کے کام کرنے پر ہی مصر ہو۔ تو وہ اسکو زیادہ ثواب والے کام سے محروم کر کے کم ثواب والے کام میں لگا دیتا ہے مثال کے طور پر نقلی حج یا عمرہ بھی ثواب کا کام ہے اور کسی مقروض کا قرض اتارنا یا کسی بے گھر بچوں والے انسان غریب اور نادار کو جو اپنا گھر نہیں بنا سکتا۔

غریب و نادار انسان کو گھر تعمیر کر دینا بھی ثواب کا کام ہے لیکن ان دونوں ثواب کے کاموں میں دوسرے کے مقابلے میں پہلے کا ثواب کم اور دوسرے کا ثواب زیادہ ہے جس کسی شخص کی فکر و خیال میں دونوں میں سے کسی ایک کام کے کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا تو شیطان دوسرے کام کی بجائے پہلے کام کی ترغیب دے گا تاکہ وہ بڑے ثواب سے محروم ہو کر تھوڑے سے ہم رہ جائے۔ اسی طرح ایک طرف کسی جگہ دینی درس گاہ کے قیام کی ضرورت ہے اور دوسری طرف مسجد کی تعمیر کے اس پر رنگ و روغن اور قیمتی پتھر لگانے کا مسئلہ ہے ظاہر ہے کہ مسجد پر رنگ و روغن اور قیمتی پتھر لگانے کی نسبت دینی درس گاہ کی تعمیر میں خرچ کرنے کا ثواب زیادہ ہے مگر شیطان کی کوشش ہوگی کہ دینی درس گاہ پر خرچ کرنے کی بجائے رنگ و روغن اور قیمتی پتھروں پر خرچ کرائے تاکہ انسان زیادہ ثواب سے محروم ہو جائے۔ اسی طرح ایک طرح اہلسنت کے مسک حق پر مشتمل رسائل و کتابیں چھاپنے کا معاملہ ہے اور دوسری طرف مزارات اولیاء پر غلاف پر غلاف چڑھانے اور وہاں دیگیں لپکا کر بانٹنے کا مسئلہ ہے لیکن پہلے کام کا ثواب بہت زیادہ اور صدقہ جاریہ میں آتا ہے لیکن شیطان کی کوشش ہوگی کہ انسان

کو پہلے کام کی بجائے دوسرے میں لگائے تاکہ انسان عظیم الشان ثواب اور صدقہ جاریہ کے ثواب سے محروم ہو جائے۔

حکومت اور مالداروں کے لیے ہدایت

اسی طرح حکومت کے اخراجات کی ترجیحات اور دولتمندوں کی دولت کے مصارف کا مسئلہ اصلاح طلب ہے حکومت انگریزی زبان کو ترجیح دیتی ہے اور اس کے مقابلہ میں عربی زبان کو کم اہمیت دیتی ہے۔ سکولوں اور کالجوں پر اور ان کے معاملات پر دولت پانی کی طرح بہاقتی ہے مگر دینی مدارس پر خرچ کرنے اور علماء طلباء پر مصارف اٹھانے میں بخل سے کام لیتی ہے۔ یہ سب شیطان کی کارستانیوں کے نتائج ہیں کہ دنیا پر تو بہت خرچ کیا جائے اور دین کو محض عوامی چیزوں کے بہارے پر چھوڑ دیا جائے۔ اسی طرح دولتمند لوگ اپنی دولت محض اپنی صوابدید پر خرچ کرتے ہیں اور غیر ضروری کاموں کو ضروری سمجھ کر ان پر دولت لٹاتے ہیں اور ضروری کاموں کو غیر ضروری تصور کر کے ان پر خرچ کرنے سے گریز کرتے ہیں جسکی وجہ سے عندا مشربڑے اجر سے محروم رہ جاتے ہیں۔ ان سب کے لیے ہدایت اور اصلاح کی بات یہ ہے کہ وزیر خزانہ بچٹ بناتے وقت اور دولتمند لوگ اپنی دولت رفاہی کاموں پر خرچ کرتے وقت ایسے علماء کرام سے مشورہ کریں جو قرآن و سنت اور فقہ و شریعت پر مکمل عبور رکھتے ہیں ان کے مشورہ سے خرچ کریں گے تو زیادہ ثواب پائیں گے کیونکہ یہ بات ایسے علماء ہی جانتے ہیں کہ کس کام پر خرچ کرنا نسبتاً زیادہ ثواب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ "فَاسْئَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ" یعنی اگر تم علم دین نہیں رکھتے تو ان سے پوچھ کر عمل کرو جو علم والے ہیں۔

شیطان کا ساتھی! امام کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم میں سے جو شخص جنت کے عین درمیان ہونے کا شوق رکھتا ہو اسے چہیٹے کہ "جماعت" سے الگ نہ ہو کیونکہ شیطان اکیلے کے ساتھ ہوتا ہے اور وہ دو سے زیادہ دور ہوتا ہے پھر تین سے اور زیادہ دور۔ الخ
 دوسری حدیث میں حضرت عرفجہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جماعت" پر اللہ کا ہاتھ ہے اور شیطان اس کے ساتھ ہے وہ شیطان کا ساتھی ہے جو جماعت کے خلاف کرے اور حدیث میں ہے "جماعت" پر اللہ کا ہاتھ ہے پس جب کوئی شخص جماعت سے الگ ہو وہ جہنم میں گیا اسے شیطان اچک کر لے گیا جیسے بھیر یا بھیرٹ بکری کو کھاتا ہے ایک اور حدیث میں ہے کہ شیطان، انسان کا بھیر یا ہے جیسے بکری اور بھیرٹ ریوڑ سے الگ ہو اسے بھیرٹ یا کھاتا ہے اسی طرح جماعت سے الگ ہونے والے انسان کو شیطان ہلاک کر ڈالتا ہے یعنی گمراہ کر دیتا ہے۔ جماعت سے اہل سنت و جماعت کے علماء کی جماعت مراد ہے چنانچہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں موجود ہے کہ علماء اہل سنت کی جماعت کا متفقہ فیصلہ ہی حجت ہے اور اہنی کا اجماع حجت ہے۔

المراد اجماع العلماء ولا عبرة
 باجماع العوام (ج ۱ ص ۲۵)

اجماع (جو قرآن و سنت کے بعد حجت ہے اس سے
 مراد علماء اہل سنت کا اجماع ہے، عوام کے اجماع اتفاق کوئی اعتبار نہیں)

پھر فرماتے ہیں کہ

علماء اہلسنت کا اجماع اصول اعتقاد میں

وہذا فی اصول الاعتقاد کارکان

اسلام کے ارکان کی طرح ہے۔

الاسلام (ج ۱ ص ۲۵)

یعنی جیسے نماز و روزہ و حج و زکوٰۃ اسلام کے اہم رکن ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کا انکار کفر ہے ایسے ہی علماء اہل سنت و فقہاء دین و ملت کا اجماع اور ان کا متفقہ فیصلہ بھی واجب العمل ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ یہاں طہر القادری جیسے بے لگام نام نہاد مفکروں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے جو عورت کی نصف دیت جیسے اجماعی و متفقہ

مسئلہ کا انکار کر کے گمراہی کی وادی میں بھٹکے پھر رہے ہیں اور شیطان کی چالوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔

علماء کا مقام جبکہ علماء اہل سنت کا مقام انبیاء علیہم السلام کے بعد دوسرے درجہ پر ہے یعنی انسانوں میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علماء اہل سنت افضل و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ چنانچہ مرقات میں ہے کہ

العلماء افضل الناس بعد الانبياء
(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۸)

علماء اہل سنت انبیاء علیہم السلام کے بعد سب لوگوں سے افضل و اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

لہذا ان کے فیصلوں کا انکار شیطان کی رفاقت اور گمراہی ہے اس سے خدا کی پناہ مانگنا چاہیے۔

قرآن و سنت و اجماع کے مقابلہ میں قیاس آرائی شیطانی فعل ہے

اسی لیے علماء فرماتے ہیں کہ قرآن و سنت اور اجماع کے مقابلہ میں قیاس آرائی شیطانی کام ہے اس سے پرہیز ضروری ہے، امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ وہ ابلیس ہی ہے جس نے سب سے پہلے قیاس آرائی کی۔ اور چاند و سورج کی پوجا بھی قیاس سے عمل میں آئی۔ حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ ابلیس ہی ہے جو سب سے پہلے قیاس کو لے بیٹھا (رواہ ابن جریر) یعنی اس نے اپنے اور آدم کے درمیان قیاس کا سہارا لیا اور اپنے آپ کو آدم سے افضل قرار دیا جیسا کہ کتب صحیحہ میں سجدہ کرنے سے انکار ہی ہوا حالانکہ اللہ کا حکم تھا کہ آدم کو سجدہ کرے۔ لہذا وہ گمراہ ہو گیا۔ ثابت ہوا کہ قرآن و سنت کے مقابلہ میں قیاس کرنا جائز نہیں۔ امام بنو ی فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے لوگوں نے دالہ شیطان ہے اور حضرت جابر کی روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

سب سے پہلے گانے والا شیطان ہے یعنی شیطان نے ہی گانے کا آغاز کیا لہذا گانا بجانا
شیطانی فعل ہے (الاکام ص ۱۴۴)

سنی سنائی باتوں کو پھیلانا اور افواہیں اڑانا شیطانی کام ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سنی سنائی باتوں کو پھیلانا اور افواہیں اڑانا شیطانی
کام ہے اس سے مسلمانوں کو پرہیز کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا کہ کسی شخص کے جھوٹے
ہونے کے لیے اس قدر کافی ہے کہ کسی سے کوئی بات سن کر اسے آگے پھیلا دے۔ اور
فرمایا کہ شیطان انسان کے بھین میں آکر ایک بے سرو پا بات کو بیان کرتا ہے پھر اسے
دوسرا شخص پھر اس سے تیسرا شخص، اسی طرح ہوتے ہوتے ایک سے دوسرا دوسرے
سے تیسرا اور تیسرے سے چوتھا بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ جب تحقیق کی جائے تو اس بات
کی کوئی معقول بنیاد نہیں ہوتی یہ سب شیطان کے کارنامے ہیں (الاکام ص ۱۴۶ - ۱۴۷)

بے علم پیر اور شیاطین کی کارگزاری شیطان علم کا دشمن اور

بے علم پیروں اور جاہل صوفیوں کا دوست ہے افسوس کہ آج مدعیانِ تصوف اور مريدانِ طریقت و پیری کی اکثریت بے علم ہے مگر اربابِ خانقاہوں کی نسبت سے پیری و مریدی کی دوکانیں چمکائے بیٹھے ہیں مجددِ دین و ملت امام اہل سنت، غوث الاعجاز و قطب الاقطاب سیدنا امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات شریفہ میں ہے "حدیث میں ارشاد ہوا" المتعبد بغیر فقہ، کالجسار فی الطاحون "بغیر فقہ کے عابد بننے والا (عابد نہ فرمایا بلکہ عابد بننے والا فرمایا یعنی بغیر فقہ کے عبادت ہو ہی نہیں سکتی) عابد بنتا ہے وہ ایسا ہے جیسے چکی میں گدھا کہ مشقت والی محنت کرے اور حاصل کچھ نہیں شیطان بے علم صوفی (پیر طریقت بننے والے) کو کچھ دھاگے کی لگام ڈالتا ہے ایک حدیث میں ہے بعد نماز عصر شیاطین سمندر پر جمع ہوتے ہیں ابلیس کا تخت پکھتا ہے شیاطین کی کارگزاری پیش ہوتی ہے کوئی کہتا ہے اس نے اتنی شرابیں پلائیں کوئی کہتا ہے اس نے اتنے زنا کر لائے، سبک سُنی، کسی نے کہا اس نے آج فلاں طالب علم کو پڑھنے سے باز رکھا سنتے ہی تخت پر سے اچھل پڑا اور اس کو گلے سے لگا لیا اور کہا "اَنْتَ اَنْتَ" تو نے کام کیا اور شیاطین یہ کیفیت دیکھ کر جل گئے، کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے کام کئے انکو کچھ نہ کہا اور اسکو اتنی شاباشیں دیں، ابلیس بولا، تمہیں نہیں معلوم، جو کچھ تم نے کیا سب اسی کا صدقہ ہے اگر علم ہوتا تو وہ گناہ نہ کرتے، بتاؤ وہ کونسی جگہ ہے جہاں سب بڑے عابد رہتا ہے مگر وہ عالم نہیں اور وہاں ایک عالم بھی رہتا ہو؟ انہوں نے ایک مقام کا نام لیا صبح کو قبل طلوع آفتاب شیاطین کو لئے ہوئے اس مقام پر پہنچا، اور شیاطین بخنجر رہے۔ اور یہ انسانی شکل بن کر راستہ پر پکھڑا ہو گیا۔ عابد صاحب تہجد کی نماز کے بعد نماز فجر کے واسطے سجد

کی طرف تشریف لائے راستہ میں ابلیس کھڑا ہی تھا " السلام علیکم، وعلیکم السلام، " حضرت مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے عابد نے فرمایا، جلد پوچھو مجھے نماز کو جانا ہے۔ اس نے اپنی جیب سے ایک شیشی نکال کر پوچھا کیا اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ ان سماوات وارض (آسمانوں اور زمین) کو اس چھوٹی سی شیشی میں داخل کر دے؟ عابد صاحب نے سوچا اور کہا کہاں آسمان و زمین، اور کہاں یہ چھوٹی سی شیشی۔ بولا، بس یہی پوچھنا تھا، تشریف لے جائیے۔ اور شیاطین سے کہا دیکھو میں نے اسکی راہ مار دی۔ اسکو اللہ کی قدرت ہی پر ایمان نہیں۔ عبادت کس کام کی۔ طلوع آفتاب کے قریب عالم صاحب جلدی کرتے ہوئے تشریف لائے اس نے کہا السلام علیکم، وعلیکم السلام، مجھے ایک مسئلہ پوچھنا ہے انہوں نے فرمایا پوچھو جلدی پوچھو نماز کا وقت کم ہے۔ اس نے وہی سوال کیا عالم نے کہا ملعون تو ابلیس معلوم ہوتا ہے ارے وہ قادر ہے۔ کہ یہ شیشی تو بہت بڑی ہے ایک سوٹی کے ناکے کے اندر اگر چاہے تو کروڑوں آسمان و زمین داخل کر دے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ ہے عالم صاحب کے تشریف لے جانے کے بعد ابلیس دوسرے شیاطین سے بولا، دیکھا یہ علم ہی کی برکت ہے، (ملفوظات ج ۲ ص ۲۵، ۲۶، ۲۷ و آکام المرجان)

شیطانی خواہش " اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم " میں اس بات کی تعلیم و تلقین ہے کہ شیطانی خواہش سے پرہیز کی جائے جب کوئی تعوذ کرتا ہے یا اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہو کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں شیطان مردود سے اور اسکی جملہ خواہشات سے۔ شیطان اپنی خواہشات سے بچانا جانتا ہے بشریت نے انسان کو شیطانی خواہشات پر چلنے سے منع کیا، نفس کی خواہش سے منع نہیں کیا۔ بلکہ نفس کی خواہش کو بقدر استطاعت پورا کرنا نفس کے حقوق میں سے ہے اور حقوق کی ادائیگی استطاعت کے مطابق ضروری ہے۔

نفسانی اور شیطانی خواہش میں فرق جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ ان

پر شیطان کے تسلط کا ذریعہ نفس ہے۔ نفس کی ہر ناجائز خواہش، شیطانی خواہش ہے۔
نفس کو ایسی خواہش سے باز رکھنا جہاد اکبر ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ
وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۗ
فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۗ
(النارعات ۴۰، ۴۱)

اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے
سے ڈرا اور نفس کو خواہش سے روکا
تو بے شک جنت ہی ٹھکانا ہے۔

یعنی نفس کو حرام چیزوں کی خواہش سے روکا۔ معلوم ہونا چاہیے کہ ایسی خواہش
نفس ممنوعات کی جڑ اور محرکات کی بنیاد ہے۔ امام ابو بکر دراق علیہ الرحمہ فرماتے ہیں
کہ اللہ تعالیٰ نے خواہش نفس سے بدتر کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ نفس و شیطان کی خواہش
میں فرق یہ ہے کہ نفس کی خواہش میں دوام ہے جبکہ شیطان کی خواہش میں تغیر ہے کہ وہ
ایکے ایک چیز کی خواہش کرتا چلا جاتا ہے ایک پوری نہ ہوتی تو دوسری کی خواہش ڈال
دی۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے بے شمار خواہشات دل میں ڈالتا چلا جاتا ہے لیکن
نفس ایک خواہش کر کے اس پر جم جائیگا جب تک وہ پوری نہ ہو اسی کا خیال رہے گا
حدیث میں ہے:

إِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا
نفس کی جائز خواہش پوری کرے جبکہ اسکی استطاعت ہو۔
کہ تمہارے نفس کا تم پر حق ہے۔

ترکِ خواہش نفس کے مراتب

ترکِ خواہش نفس کے کئی ایک مراتب ہیں ان

میں سے سب سے کم درجہ یا پہلا درجہ یہ ہے:

پر ہنر کرنا ہر اس چیز سے جو قرآن و سنت
کی واضح عبارات اور سلف صالحین کے
اجماع کے خلاف ہو اور اسی سے انسان
ایک مسلمان اہل سنت قرار پاتا ہے۔

اجتباب ما ہو یخالف ظاہر
النصوص واجماع السلف و بہ
یصیر مسلماً سنیاً۔
(التفسیر المظہر حجاج ص ۱۹۳)

سنی کی تعریف

حضرت قاضی ثناء اللہ یاقوتی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں مسلمان
کی تعریف فرما کر صحیح العقیدہ اور غیر صحیح العقیدہ یعنی سنی اور غیر سنی کے درمیان حدِ فاصل
قائم کر دی تمام اہل سنت مسلمانوں کو اس حقیقت کا علم ہونا چاہیے کہ سنی کسے کہتے
ہیں اور غیر سنی کون ہے تاکہ نفس پرست جو حق پرست کے روپ میں آکر دھوکا دے
رہے ہیں واضح ہو جائیں، فروعی مسائل میں سنیوں کی حمایت یا موافقت کر لیتے ہیں
مثلاً میلاد شریف، عرس مبارک درود و سلام مع قیام اور اہل سنت بزرگوں سے نسبت
قدرت و تقبذیت وغیرہما کا حصول، اس قسم کی تمام فروعی باتیں اپنا لیتے ہیں جس
سے سنی لوگ دھوکا کھا کر انکو اہل سنت سے سمجھ کر ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور انکو
اپنا راہنما و امام اور پیر و مرشد تک بنا لیتے ہیں حالانکہ وہ امام اصولی و بنیادی اعتقاد
مسائل میں بھٹکے ہوئے ہیں اور اس طرح اندر سے اہل سنت نہیں ہوتے گمراہ و بدین
یا بے دین ہوتے ہیں۔ کوئی صحابہ کا دشمن ہوتا ہے جیسے محمود شاہ ہزاروی جسے
محدث ہزاروی کہا جاتا ہے وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا سخت بے ادب
اور گستاخ ہے حالانکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے صحابی ہوئے پر سنت و اجماع امت قائم ہے اور صحابہ تمام کے تمام
عدول ہیں اور حنبلی ہیں ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف تھا اور جہاد میں مجتہد سے صواب و خطا دونوں
کا احتمال ہوتا ہے پہلی صورتیں واجرا و دوسری صورتیں ایک اجر کا مستحق بہر صورت ہوتا ہے ایسے لوگ صحابہؓ کے
بے ادب گستاخ ہونے کے باوجود مہولے بھالے سنیوں کے پیر و مرشد بننے

ہوئے ہیں، اسی طرح طاہر القادری بانی منہاج القرآن اجماع امت کا منکر ہے اسی انکار کا نتیجہ ہے کہ اس نے عورت کی نصف دیت کا انکار کر دیا ہے اور اس کے رد میں اہل سنت کے مسلم پیشوا حضرت علامہ سید احمد سعید الکاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے "اسلام میں عورت کی دیت" کتاب لکھی جس میں ثابت کیا کہ عورت کی نصف دیت قرآن و سنت کا مقتضا ہے اور امت کے اجماع سے ثابت ہے جس کا انکار گمراہی ہے ایسے لوگ جو دراصل شیاطین ہیں وہ سنی بن کر عوام کو اپنے پیچھے لگائے ہوئے ہیں اور بعض مفاد پرست نام نہاد علماء جنہیں حدیث میں علماء سود دنیا پرست و گمراہ علماء کہا گیا ہے۔ ان شیاطین سے ذاتی مفاد حاصل کرتے ہیں اور ان کی گمراہی پر، پردہ ڈالتے ہیں۔ مسئلہ دیت کو ٹی معمولی مسئلہ نہیں، قرآن کریم نے اسکو بیان کیا ہے، حدیث مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی تشریح کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود عمل فرمایا اور آپ کے صحابہ کرام نے اس پر اجماع کیا راقم نے عورت کی نصف دیت پر باون صریح حدیثیں جمع کی ہیں اور ان کے مقابلہ میں ایک ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس میں صراحت ہو کہ عورت کی دیت سواونٹ ہے جیسے مرد کی سواونٹ، جبکہ مقابلہ میں عورت کی دیت سے متعلق کہیں نصف کا لفظ صراحت کے ساتھ موجود ہے اور کہیں پچاس اونٹ کا اور کہیں قیمت کی صورت میں پانچ سو دینار یا چھ ہزار درہم کا تذکرہ ملتا ہے اور مرد کی دیت اس کا ڈبل ہے یعنی سواونٹ، یا قیمت کی صورت میں ایک ہزار دینار یا بارہ ہزار درہم۔ یہ سب حدیثوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے اس لیے نصف دیت سنت سے بھی ثابت ہے۔ اور اسی پر اجماع اجماع صحابہ و ائمہ بھی ہے (ملاحظہ ہو بدائع الصنائع ج ۱، ص ۲۵۴ و المعنی ج ۱، ص ۲۹۷ و المقنع ج ۳ ص ۳۹ و اعلیٰ السنن ج ۱ ص ۱۸ و مرقاة المفاتیح ج ۲ ص ۲۸ و شرح صحیح مسلم للنووی ج ۲ ص ۶۲ و فقہ السنن ج ۲ ص ۵۶۳) دیگر حوالہ جات بخوف

طوالت ترک کئے جاتے ہیں، غرض یہ کہ طاہر القادری ایک جماعی مسئلہ کا منکر ہو کر اہل سنت سے خارج اور گمراہ ٹھہرا کیونکہ اہل سنت کی تعریف میں یہ بات شامل ہے کہ وہ قرآن و سنت کے ظاہرِ نصوص اور اجماعِ سلفِ صالحین کے خلاف نہ چلے یہ ترکِ خواہشِ نفس کا پہلا درجہ ہے اور اس کا درمیانہ درجہ یہ ہے کہ معصیتِ دگناہ کا خیال آئے تو خدا تعالیٰ کے حضور پیش ہونے کو یاد کر کے اس خیالِ گناہ سے باز آجائے اور اس کا انتہائی درجہ یہ ہے کہ شک و شبہ والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے بھی پرہیز کرے جن کے کرنے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان کے مقابلہ میں اولیٰ اور بہتر چیز پر عمل کرے۔ امام ابو سعید می فرماتے ہیں:

خَالَفَ النَّفْسَ وَالشَّيْطَانَ وَعَصِيهَمَا ۖ وَإِنْ هُمَا مَحْضَاكَ النَّصِيحَ فَأَتَاهُمُ
 تَجَمُّدٌ: نفس اور شیطان کی مخالفت اور انکی نافرمانی کرے ۛ اور اگرچہ وہ تجھے خالص نصیحت بتائیں تو اسے جھوٹ یقین کر
 جیسا کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ خواہشِ نفس ہی شیطان کے انسان تک پہنچنے اور اس کے
 گمراہ کرنے کا راستہ ہے۔ چنانچہ قاضی صاحب فرماتے ہیں:

لَا نَسْبِيلَهُ إِلَى الْإِنْسَانِ غَالِبًا يَكُونُ
 كَيْونکہ شیطان کا راستہ غالباً انسان کی طرف
 بِتَوْسُطِ الْهَوَىٰ (تفسیر منظر مدراج اضلاع)

خواہشِ نفس کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

شیطان کا سرمہ چٹنی اور نسوار

امام بیہقی علیہ الرحمۃ اپنی سند کے ساتھ حضرت

الن رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں :

انَّ لِلشَّيْطَانِ كَحْلًا وَلَعُوقًا وَنَشُوقًا
فَمَا لَعُوقُهُ فَالْكَذِبُ وَمَا نَشُوقُهُ فَالغُضْبُ
وَمَا كَحْلُهُ فَالْنُومُ۔

کہ شیطان کے پاس ایک سرمہ چٹنی اور
نسوار ہے۔ پس اسکی چٹنی جھوٹ، اسکی نسوار

غضبہ اور اس کا سرمہ نیند ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۵)

امام ابن ابی الدنیا اپنی کتاب "مکائد الشیطان" میں طبرانی اور عبد الرزاق کی مسند

کے حوالہ سے حضرت سرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ

"شیطان کے پاس سرمہ اور چٹنی ہے۔ پس جب وہ انسان کی آنکھوں میں اپنا سرمہ

ڈالتا ہے تو اسکی آنکھیں یاد الہی سے (غافل ہو کر) سو جاتی ہیں اور جب اسے اپنی چٹنی میں

سے کچھ چٹاتا ہے "ذَرَبَ لِسَانَهُ بِالسُّنَنِ" تو اسکی زبان گندی باتوں میں تیز ہو

جاتی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۵)

شیطان کے پھندے اور جال

امام ابن عساکر حضرت نعمان بن بشیر

رضی اللہ عنہ سے اپنی سند کے ساتھ راوی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

"شیطان کے بہت سے پھندے اور جال ہیں اور بے شک اس کے پھندوں

اور جالوں میں سے ایک اللہ کی نعمتوں اور اس کی عطا مال و دولت، صحت و تندرستی

اور طاقت وغیرہ ایسے خدائی احسانات) پر اترانا اور فخر کرنا اور اللہ کے بندوں پر تکبر کرنا

اور رضا اللہ پر چلنے کی بجائے اپنے نفس کی خواہش کی پیروی کرنا (کنز العمال ج ۱ ص ۲۴۶)

یعنی شیطان کے بہت پھندے اور جال ہیں ان پھندوں اور جالوں میں سے ایک

یہ بھی ہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ اپنی طرح طرح کی نعمتوں سے نوازے، مثلاً

تندرستی اور صحت بخشنے یا اُسے اولاد اور مال و دولت کی فراوانی دے تو وہ شخص اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونے اور صحت و توانائی اور مال و دولت کو اس کے راستہ میں خرینج کرنے کی بجائے اترانے اور عزور کرنے لگے اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کو بہ نظر حقارت دیکھنے لگے جو صحت و توانائی یا مال و دولت میں اس سے کم ہیں۔ اور اس کی دینی اخلاقی خوبیوں کو نظر انداز کر دینا۔ کسی شخص کا کسی شخص کی دینی و اخلاقی خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے محض اس لئے رشتہ نہ جوڑنا اور تعلق قائم نہ کرنا بلکہ اس سے بے نیاز ہو جانا کہ وہ اس کے برابر مالی وسائل نہیں رکھتا یا اس سے مال و دولت میں کم ہے یہی تکبر اور عزور ہے جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں ہے اس لیے اسے شیطان کا پھندا اور شیطان کا جال قرار دیا گیا۔

روحانی طاقت

عام انسان جنات و شیاطین کو نہ تو دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی پکڑ سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے جنات و شیاطین کو دیکھ سکتے ہیں اور پکڑ بھی سکتے ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ "حضرت ابو ایوب انصاری کا ایک خیمہ یا چھوٹا سا خیمہ نما مکان تھا، جس میں کھجوریں تھیں، جنات و شیاطین انسان کی صورت میں آکر ان کی کھجوریں لیکر بھاگ جاتے تھے تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب جب تم اسے دیکھو تو کہہ دو کہ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو وہ تمہیں بلا رہے ہیں۔ حضرت ایوبؑ نے اسے پکڑ لیا اور حضور کی خدمت میں چلنے کو کہا تو اس جن یا شیطان نے قسم کھائی کہ وہ دوبارہ نہیں آئیگا۔ آپ نے اسے چھوڑ دیا پھر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ان سے پوچھا "مَا فَعَلَ اسَیْرُکَ؟" کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ دوبارہ نہیں آئیگا آپ نے فرمایا، "اس نے جھوٹ بولا، اور اسے جھوٹ کی عادت ہے چنانچہ وہ پھر آگیا آپ نے اسے پکڑ لیا تو اس نے پھر قسم کھائی کہ وہ پھر نہیں آئیگا آپ نے اسے پھر چھوڑ دیا اور حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا؟ انہوں نے عرض کی کہ اس نے قسم کھائی ہے کہ پھر نہیں آئیگا آپ نے فرمایا اس نے جھوٹ بولا، اور اسے جھوٹ کی عادت ہے۔ وہ پھر آگیا تو انہوں نے اسے پھر پکڑ لیا اور فرمایا کہ مَا اَنَا بِتَارِکِیْ" کہ میں اب تجھے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ تجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے جاؤں گا۔ اس نے کہا کہ میں تجھے ایک چیز بتاؤں:

آیۃ الْکُرْسِیٰ اِقْرَأْهَا فِی بَیْتِکَ
فَلَا یُقْرِبُکَ شَیْطَانٌ حَتّٰی تَخْرُجَ۔
اپنے گھر میں آیۃ الْکُرْسِیٰ پڑھ لیا کہ وہ تو کوئی
شیطان وغیرہ تمہارے قریب نہیں آئیگا۔

(ترمذی ج ۲ ص ۱۱)

یعنی تمہارے گھر میں داخل نہ ہوگا۔ تو حضرت ابو ایوب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کہ تمہارے قیدی نے کیا کیا تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا حال سنا دیا آپ نے فرمایا کہ اس نے جھوٹے ہونے کے باوجود سچ کہہ دیا۔

اس حدیث سے کئی ایک مسائل معلوم ہوتے ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتِ صحبت سے صحابہ کرام میں روحانی طاقت بہت تھی اور یہ روحانی طاقت، شیطانی طاقت پر غالب ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ مسلمان کے نزدیک قسم کی بڑی اہمیت ہے لہذا قسم پر اعتبار کرنا چاہیے بشرطیکہ قسم کے خلاف کوئی ایسا شرعی یا عقلی قرینہ نہ پایا جاتا ہو جو قسم کی صداقت کو ختم کر دیتا ہو۔ تیسرا یہ کہ شیاطین و جنات کھاتے پیتے ہیں۔ پانچواں یہ کہ جھوٹی قسمیں کھانا شیطانوں کا کام ہے۔ چھٹا یہ کہ جنات و شیاطین آیۃ الکرسی پڑھنے والے کے قریب نہیں آتے۔ ساتواں یہ کہ جس گھر میں رات کو آیۃ الکرسی پڑھی جائے وہ گھر جنات و شیاطین سے محفوظ رہتا ہے۔ آٹھواں یہ کہ جھوٹا بھی کبھی سچ بات کہہ دیتا ہے۔

شیطانی کارنامے

شیطان کی پہچان اس کے کارناموں سے ہوتی ہے قرآن کریم

نے شیطان کے چند کارناموں کا تذکرہ کیا ہے تاکہ ہم ان کارناموں کے ذریعے شیطان اور شیطان صفت انسانوں کو پہچان سکیں۔

محبوبانِ خدا تعالیٰ کی بے ادبی

شیطان کا پہلا کارنامہ جسے اللہ تعالیٰ نے

سورہ بقرہ میں بیان فرمایا وہ یہ ہے کہ شیطان محبوبانِ خدا تعالیٰ کی تعظیم و تکریم کا منکر ہے بلکہ ان کی توہین میں سکون قلب پاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کو حکم فرمایا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کر کے انکی تعظیم و تکریم کا عملی مظاہرہ کریں تو سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان جسے ابلیس کے نام سے یاد کیا گیا ہے، سجدہ سے

انکاری ہو گیا اور تکبر و عزور کا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ" (سورہ بقرہ) کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنے سے کافر ہو گیا۔ یہ سجدہ بہ ظاہر آدم کو مگر درحقیقت نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا جو حضرت آدم کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ یوں وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بے ادب بھی ٹھہرا۔

بے ادبی کی سزا

آخر اللہ تعالیٰ نے اسکی اس بے ادبی پر اسے یہ سزا دی کہ اسے جنت سے نکال دیا اور تاقیامت اس پر لعنت فرمادی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا کہ

فَاخْرُجْ مِنْهَا فَانَّاكَ رَجِيْعًا ۝ وَاَنْتَ تَجْتَنِبُ السُّبُوْحَ ۝
 اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝
 (سورہ حجرات آیت ۲۴ - ۲۵) ہے۔

اس سے معلوم ہوا مجبوراً خدا تعالیٰ اور بالخصوص نبیوں اور رسولوں کی تعظیم کا منکر یا انکی توہین کرنے والا جب بے توبہ مرے جنت میں نہ جائیگا اور یہ کہ ان کا بے ادب و گستاخ ملعون و مردود ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا علم والا ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبیوں اور رسولوں کی یا ان میں سے کسی ایک کی گستاخی و بے ادبی کا مرتکب ملعون و مردود ہونے کی وجہ سے وہ ہرگز ہرگز اکرام و احترام کا مستحق نہیں رہتا بلکہ اسکی حوصلہ شکنی و اہانت کی جائیگی چنانچہ ابلیس ملعون کو ذلیل کر کے جنت سے نکالا گیا ایک گستاخی کے مقابلہ اسکی ہزار ہا سال کی عبادت و ریاضت ناکارہ ہو کر رہ گئی۔ حتیٰ کہ فرشتوں کو حکم ہو گیا کہ یہ ملعون جب آسمانوں کا رخ کرے تو اس پر آگ کے شعلے برس کر لے سے نیچے کو رخ کرنے پر مجبور کر دیا جائے، اور جب ماہ رمضان آتا ہے جو نہایت ہی برکتوں اور رحمتوں والا مہینہ ہے تو اس ملعون کو زنجیروں سے جکڑ دیا جاتا ہے حالانکہ شیطان ملعون بہت علم رکھتا تھا۔

مگر علم کے باوجود ہدایت سے محروم ہو گیا علم کے لیے ہدایت ضروری نہیں یا دوسرے لفظوں میں علم اور ہدایت ایک دوسرے کو لازم و ملزوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے کہ یہود کے علماء جن پر تورات کا بوجھ رکھا گیا پھر انہوں نے اُسے نہ اٹھایا یعنی علم کے باوجود عمل نہ کیا اور ہدایت نہ پائی ان کا حال گدھے کا سا ہے جس پر کتابیں لدی ہوں۔ قرآن میں ایک اور جگہ فرمایا گیا کہ :

أَفْرَعَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ الْهَوَاهُ
وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَىٰ عِلْمِهِ وَخَتَمَ عَلَىٰ
سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَىٰ بَصَرِهِ
غِشَاوَةً فَمَنْ يَهْدِيهِ يُؤْمِنْ بَعْدَ اللَّهِ
أَفَلَا تَذَكَّرُونَ

بھلا دیکھو تو وہ جس نے اپنی خواہش کو اپنا
خدا ٹھہرا لیا اور اللہ نے علم کے باوجود گمراہ کیا
اور اس کے کان اور دل پر مہر لگا دی اور اس
آنکھیں پر پردہ ڈالا تو اللہ کے بعد اسے
کون راہ دکھائے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

(سورۃ جاثیہ: ۲۳)

اس میں بتایا گیا ہے کہ علم کے باوجود وہ خواہش کا بندہ ہو کر گمراہ ہو گیا اور گمراہی میں ایسا دور چلا گیا کہ کان دل اور آنکھ میں جو سننے، فکر کرنے اور دیکھنے کی استعداد و قوت قدرت باری تعالیٰ نے ودیعت رکھی تھی اس سے کام نہ لیا۔

سیدنا عوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شیطان سے گفتگو

سیدنا عوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ایک بار شیطان (ابلیس) کو خواب میں دیکھا اور میرا درگزر بہت سے لوگ تھے تو میں نے اس کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ شیطان ملعون نے مجھ سے کہا کہ آپ مجھے کیوں قتل کرتے ہیں اور میرا کیا قصور ہے؟ اگر بری تقدیر جاری ہو چکی ہے (یعنی یہ بات پہلے علم الہی میں تھی کہ فلاں وقت فلاں جگہ اور فلاں شخص کے ذریعے فلاں برائی عمل میں آئیگی) تو میں اسے بھلائی میں نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اس برائی کو بھلائی کی طرف منتقل کر سکتا ہوں اور بھلی تقدیر جاری ہو چکی ہے تو میں اسے برائی میں نہیں بدل سکتا اور نہ ہی اسے برائی کی طرف منتقل کر سکتا ہوں تو میرے ہاتھ میں یا میرے اختیار میں کوئی چیز ہے؟

اور شیطان کی صورت مخنتوں کی صورت پر تھی (یعنی مذکورہ مؤنث دونوں صفتیں رکھتا تھا) نرم کلام والا، بد شکل تھا اسکی ٹھوڑی پر بالوں کی ایک لٹ تھی نفرت انگیز شکل، بڑی خلقت، بے ڈھنگے جسم والا تھا۔ پھر بڑی شرمندگی سے میرے سامنے مسکرا دیا۔ اور یہ خواب میں نے اتوار کی شب ۱۲ ذی الحجہ ۵۱۶ھ کو دیکھا (فتوح الغیب مع ہجرت الاسراء ص ۴۹، ۵۰) اسکی شرح میں شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”حضور عوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر شریف اس وقت اکیس سال کی تھی جب آپ نے یہ خواب دیکھا کیونکہ آپ کی ولادت ۴۷ھ یا ۴۸ھ کو ہوئی لہذا یہ واقعہ حضرت والا کے ابتداء احوال کے زمانہ کا ہے جب آپ تحصیل علم میں مصروف تھے (شرح فتوح الغیب ص ۴۸)

حل مشکل

یہاں ایک مشکل ہے جسے حل کرنا ضروری ہے اور وہ تقدیر کا مسئلہ ہے جسے شیطان نے سیدنا عوث اعظم رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کر کے اپنی براہوت کا اظہار کرتے

ہوئے اسکی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر عائد کر دی۔ یہ اس کی کج بختی اور بہت مہر می ہے دراصل اللہ تعالیٰ کے علم کا کمال ہے کہ وہ خیر و شر کے وقوع سے پہلے ہی خیر و شر کو جانتا تھا۔ علم کلام کا یہ مسلمہ مسئلہ ہے کہ علم معلوم کے تابع ہے معلوم علم کے تابع نہیں ہے یعنی چونکہ شیطان نے حضرت آدم کو سجدہ نہ کرنا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کو پہلے سے علم تھا کہ وہ جب شیطان کو سجدہ کا حکم فرمائے گا تو شیطان تکبر کرے گا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیگا۔ یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم نے اسے تکبر اور منکر بنا دیا۔ اسی طرح اسے علم تھا کہ شیطان لوگوں کو گمراہ کرے گا اور ان سے برائی کا ارتکاب کرائے گا، اگر اس نے ایسا نہ کرنا ہوتا تو علم ویسا نہ ہوتا، چونکہ اس نے گمراہ کرنا اور برائی کو فروغ دینا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کو اس کا پہلے سے علم تھا۔ لہذا یہ برائی کی ذمہ داری شیطان اور شیطان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ پر نہیں۔

شیطان کا آدھا لشکر

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”عورت واجب الستر چیز ہے (جس کا پردے میں ہونا ضروری ہے) جب وہ گھر سے باہر نکلتی ہے تو شیطان اسکی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا ہے۔ عورت اس وقت خدا تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے حجرے میں ہوتی ہے اور یہ کہ شیطان نے عورت کو مخاطب کر کے کہا ہے کہ تو میرا آدھا لشکر ہے اور میرا وہ تیر ہے جسے میں پھینکتا ہوں تو نشانہ سے خطا نہیں کرتا۔ (آکام المرجان ص ۱۶۹)

ایک عبادت گزار اور شیطان .

امام عبید بن رفاعہ کی مسند سے امام ابن ابی الدنیانے مکائد الشیطان میں اور امام ابن مردویہ سے امام بہیقی نے روایت کیا کہ ”بنی اسرائیل میں ایک عورت تھی اسے شیطان نے پکڑ لیا اور لوگوں کے دلوں میں یہ خیال ڈالا کہ اس عورت کی دو فلاں فلاں راہب (یہ علم عبادت گزار) کے پاس ہے اور وہ راہب ایک عبادت گاہ میں (عبادت و ریاضت میں مصروف) تھا۔ تو بنی اسرائیل اس عورت کو اس کے پاس لے گئے اور اس کو قبول کرنے (یعنی اس کو علاج کے لیے اپنے پاس رکھ لینے) پر اصرار کرتے رہے یہاں تک کہ اس عبادت گزار نے اسے قبول کر کے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر اس کے پاس شیطان آیا اور اس کے دل میں برائی کا خیال ڈالا یہاں تک کہ وہ برائی کر گذرا جس سے وہ مریضہ حاملہ ہو گئی۔ اس کے بعد اس کے پاس شیطان پھر آ گیا اور اس عبادت گزار سے کہا کہ اب تمہاری رسوائی ہوگی۔ اس مریضہ کے سر پرست آئیں گے تم (ان کے آنے سے پہلے ہی) اس کو مار ڈالو اور دفن کر دو پھر اگر وہ آگے تو کہہ دینا کہ وہ مر گئی تھی، اور میں نے اسے دفن کر دیا تھا۔ تو اس نے ایسا ہی کیا کہ اسے قتل کر کے دفن کر دیا۔ پس اس کے وارث آگے اور انہوں نے اپنی عزیزہ عورت کو موجود نہ پایا، تو شیطان نے ان کے دل میں خیال ڈالا کہ اس عابد و زاہد نے اسے قتل کر کے دفن کر دیا ہے تو وہ اس کے پاس آئے اور اس سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ مر گئی تھی تو میں نے اسے دفن کر دیا۔ تو شیطان اس عابد کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے ہی اس عورت کو پکڑا تھا اور میں نے ہی ان کے دل میں یہ ڈالا تھا کہ وہ اس عورت کو علاج کے لیے آپ کے پاس لائیں کہ اس کی دو آپ کے پاس ہے اور میں نے ہی تیرے دل میں بُرا خیال ڈالا حتیٰ کہ تو نے اسے قتل کیا اور دفن کیا اور میں نے اس کے وارثوں کے دلوں میں یہ بات ڈالی کہ تو نے اسے قتل کیا اور دفن کر دیا۔ اب تم میری اور بات مان تو تم چھوٹ جاؤ گے اور وہ یہ کہ تم مجھے دو بار سجدہ کرو (تو میں تمہیں چھڑا لوں گا) آخر اس نے اسے دو بار سجدہ کیا۔

(اور کافر ہو گیا پھر قتل کے الزام میں گرفتار ہوا اور قصاص میں خود بھی قتل ہو گیا)
اور وہ عابد وہی شخص ہے۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں ہے۔

كَمْثَلِي الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِاِنَّسَانٍ (جیسے) شیطان کی کہاوت، جب اس نے آدمی سے کہا کفر کر پھر جب اس نے کفر کر لیا بولا میں تجھ سے الگ ہوں، میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سارے جہان کا رب، تو ان دونوں کا انجام یہ ہوا کہ وہ دونوں آگ میں ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔

كَمْثَلِي الشَّيْطَانِ اِذْ قَالَ لِاِنَّسَانٍ
اَكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّي
بِرَبِّي عَزِيْزٌ مِنْكَ اِنِّيْ اُخَافُ اللّٰهَ
رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَكَانَ
عَاقِبَتُهُمَا اَنْهُمَا فِي النَّارِ
خَالِدِيْنَ فِيْهَا ط وَذٰلِكَ
جَزَاءُ الظّٰلِمِيْنَ ؕ

(سورۃ الحشر ۱۳-۱۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان گمراہوں اور کافروں سے گمراہی اور کفر کا ارتکاب کرے اور ان سے لا تعلقی کا اظہار کرتا ہے کیونکہ اس کا مطلب پورا ہو جاتا ہے پھر گمراہ اور کافر اپنی گمراہی میں اور کفر میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ نیز یہ کہ شیطان بھی خدا سے ڈرتا ہے لیکن اس طرح کا ڈر اسے خدا تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکے گا کیونکہ جس خوف کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری شامل نہ ہو اس کا ہونا اور نہ ہونا برابر ہے اس کے برعکس مؤمن اور مسلمان خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں لگا رہتا ہے ایسا ڈر مؤمن و مسلمان کی نجات اور اس کی آخری ترقی اور خدا تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ ہے۔

شیطان اور شیطان صفت انسان! "اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم"

میں جہاں شیطان کے شر سے پناہ مانگی جاتی ہے وہاں شیطان صفت انسانوں سے بھی خدا تعالیٰ کی پناہ مانگنے کی ضرورت و اہمیت کو فراموش نہ کیا جائے جیسے انسانوں کے دل پر شیطان دوسرے ڈالتا ہے ایسے ہی کچھ شیطان صفت انسان بھی ہیں جو دوسرے انسانوں کو بُرے عقیدے اور بُرے عمل کی ترغیب دیتے اور ان پر شیطان کی طرح دوسرے ڈالتے ہیں۔ اس لیے قرآن کریم نے برعقیدہ اور بدعمل لوگوں کی صحبت سے منع کیا اور اسکے برعکس صحیح العقیدہ اور صحیح العمل لوگوں کی صحبت اختیار کرنے اور ان کے ساتھ ہونے کا حکم فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ
وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبہ: ۱۱۹)

اے مسلمانو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

اور شیطان صفت انسانوں سے نہ صرف دور رہنے کا حکم ہے بلکہ ان سے اللہ کی پناہ مانگنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ:

قُلْ اَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ هـ
الَّذِي يَدْعُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ هـ
مَلِكِ النَّاسِ هـ
الَّذِي يَدْعُو يَوْمَ الْقِيَامَةِ هـ
مَلِكِ النَّاسِ هـ

تم کہو میں اس کی پناہ میں آیا جو سب لوگوں کا رب
سب لوگوں کا بادشاہ، سب لوگوں کا خدا، اس
کے شر سے جو دل میں بُرے خطرے ڈالے اور دُک
رہے، وہ جو لوگوں کے دلوں میں دوسرے ڈالتے ہیں
جن اور آدمی۔

شیطان کی عادت

شیطان کی عادت یہ ہے کہ انسان جب غافل ہوتا ہے تو اس کے دل میں دوسرے ڈالتا ہے اور جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان دُک رہتا ہے اور ہٹ جاتا ہے۔ اس سورہ مبارکہ میں بتایا گیا ہے کہ شیطان جنوں سے بھی ہوتا ہے اور

انسانوں سے بھی، جیسے شیاطین جن، انسانوں کو وسوسوں میں ڈالتے ہیں ایسے ہی شیاطین انس (شیطان صفت انسان) ناصح بن کر آدمی کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں پھر اگر آدمی ان وسوسوں کو مان لیتا ہے تو اس کا سلسلہ بڑھ جاتا ہے پھر وہ اسے خوب گمراہ کرتے ہیں اور اگر آدمی ان سے متنفر ہوتا ہے تو وہ اس سے بٹ جاتے ہیں اور دیکھ کر رہ جاتے ہیں لہذا آدمی کو چاہیے کہ وہ شیاطین جن کے شر سے بھی پناہ مانگے اور شیاطین انس (شیطان صفت انسانوں) کے شر سے بھی۔

شیطان صفت انسان شیطان سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ قرآن کریم میں جہاں شیطان کا ذکر ہے وہاں بطور مثال شیطان انسان کا ذکر بھی ہے تاکہ مسلمانوں کو شیطان صفت انسانوں کی حقیقت کا علم حاصل ہو اور وہ اس کے شر سے پناہ مانگیں۔ مولانا رومی مشنوی میں فرماتے ہیں:

صد ہزاراں ابلیس و بلعم در جہاں : ہم چنی بود دست پیدا و نہاں
 (ترجمہ) دنیا میں لاکھوں ابلیس اور بلعم باعور (جیسے عابدانِ بد انجام) مشہور و غیر مشہور ہو گئے ہیں
 ایں دور مشہور گردانید الہ : تاکہ باشند ایں دو بر باقی گواہ
 (ترجمہ) مگر (ان میں سے صرف) دونوں کو اللہ تعالیٰ نے مشہور کیا ہے تاکہ ان دونوں کا انجام باقی
 (ابلیسیوں اور بلعم باعوروں کے احوال و اوصاف) پر گواہ ہوں
 ایں دو در آویخت بہ دار بلند : ورنہ اندر شہر بس دزدان بدند
 (ترجمہ) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ان دو چوروں (ابلیس و بلعم باعور) کو شہرت و رسوائی کی اونچی سولی پر لٹکایا (کہ لوگ ان سے عبرت حاصل کریں) ورنہ دنیا کی بستی میں ایسے ایسے بہت سے چور ہو گزرے ہیں (اور ہیں)
 (مثنوی شریف دفتر اول صفحہ ۸۴)

بلعم باعور بلعم باعور کا واقعہ اجمالاً طور پر قرآن کریم میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَأْتَلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ
آيَاتِنَا فَأَنْسَخَ مِنْهَا فَأَتَّبَعَهُ
الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ -

(الاعراف : ۱۷۵)

اور کے محبوب انہیں اس کا احوال سنا دے جسے ہم
نے اپنی آیتیں دیں تو وہ ان سے صاف نکل گیا
تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو وہ گمراہوں میں
ہو گیا۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آنے والے ایک عابد
وزاہد شخص کا ہے جو مستجاب الدعوات تھا اسکی دعا قبول ہوتی تھی جس کا نام بلعم باعور تھا۔ اس
نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو اللہ تعالیٰ نے اسکی عزت خاک میں ملا دی اور
اپنی بخشی ہوئی عزت و کرامت کی نعمت اس سے چھین لی۔ اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ جو
شخص اللہ کے پیغمبر کی اور اسکی ہدایات و تعلیمات کی مخالفت کرتا ہے وہ بہ ظاہر کتنا ہی عابد
وزاہد بنتا ہو درحقیقت شیطان صفت انسان یا انسان نما شیطان ہے اور یہ کہ کسی ایسے
شخص کو اپنا راہنما نہیں بنانا اور اس کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔ جو نادان لوگوں کی خواہشات
کو پورا کرنے کے لیے اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کے احکام کو پس پشت ڈال دے۔
جیسے آج کے نام نہاد بعض مذہبی یا سیاسی راہنما کبھی عوام کا لالعام کے مطالبہ پر اور
کبھی دین سے بے بہرہ مغرب زدہ عورتوں کی خواہش پر شریعت مطہرہ کے مسلمہ احکام
کو بدلنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ جیسے پروفیسر طاہر القادری نے عورت کی
دیت کے اجماعی اور مسلمہ حکم کو بعض دین سے بے بہرہ عورتوں کے کہنے پر پس پشت
ڈال دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لیکر آج تک بہ اجماع و اتفاق
طے شدہ عورت کی نصف دیت کا منکر ہو گیا اس شخص کی مثال اس بلعم باعور کی ہی ہے
جس نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے احکام کا منکر ہو گیا یہ شخص
بھی عورت کی نصف دیت اور نصف شہادت ایسے قرآن و سنت و اجماع امت
سے ثابت شدہ قطعی احکام سے منحرف ہو گیا اور ائمہ دین متین کے نصرت قدم پر چلنے

کی بجائے ان کو اپنا فریق قرار دے کر ان کی بات کو مستند تسلیم کرنے سے کھلا انکار کر دیا۔
 اس کے الفاظ ہمارے پاس ٹیپ ہیں جنہیں ہر شخص سن سکتا ہے اعوذ باللہ من
 الشیطن الرجیم میں جب شیطان رجم کا تصور آئے تو ایسے شیطان صفت گمراہ انسانوں کا تصور
 بھی شامل استعاذہ ہونا چاہیے، جو شریعت کے مسلمہ احکام سے لوگوں کو منحرف کرنے
 کے درپے ہیں۔

شیطان کی منہ سی

صحیح مسلم میں ہے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی نماز کی حالت میں
جمائی لے (یا تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے) تو جہاں تک ہو سکے اپنا منہ بند
کرے پس بے شک شیطان داخل ہو جاتا ہے۔ اور صحیح بخاری میں یہ حدیث حقیر
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے الفاظ یوں ہیں

« إِذَا تَشَاءَ بَ أَحَدُكُمْ فِي الصَّلَاةِ
فَلْيَكْظِمْ مَا اسْتَطَاعَ وَلَا يَقُلْ مَا
فَاتَمَّ ذَلِكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ
يَضْحَكُ مِنْهُ »

جب تم میں سے کسی کو نماز میں جمائی آئے
ریا وہ نماز میں جمائی لے (تو جہاں تک ہو سکے
اپنا منہ بند کرے اور "ھا" نہ کہے کہ یہ تو
شیطان کی طرف سے ہے وہ اس سے

ہنتا ہے۔

(مشکوٰۃ: ص ۹)

جمائی، معدہ کے بھرے ہونے، حواس کی کدورت، بدن کے بو جھل ہونے، سستی
اور نیند کی طرف مائل ہونے سے آتی ہے اس لئے اس کی نسبت شیطان کی طرف
کی گئی ہے چنانچہ ایک حدیث میں ہے «إِذَا تَشَاءَ بَ أَحَدُكُمْ مِنَ الشَّيْطَانِ» کہ جمائی
شیطان کی طرف سے ہے۔ لہذا اسے روکنا چاہیے اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ
"پھینک رحمن" کی طرف سے ہے لہذا اسے نہیں روکنا چاہیے۔ اور شیطان کے خوش ہونے
اور ہنسنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ انسان کی سستی، کاہلی، بو جھل ہونے اور اعصاب کے ڈھیلے
ہونے پر خوش ہوتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں انسان عبادت و ریاضت کرنے سے
قاصر ہوتا ہے اور یہی مقصود شیطان ہے اور جمائی کی حالت میں منہ کھلنے سے ایک تو
انسانی شکل کا حسین منظر بدل کر بد منظری بھی پیدا ہو جاتی ہے اور علاوہ ازیں منہ کے

مصائب پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔

جمانی پر قابو پانے اور اس کے دفع کرنے کے دو
جمانی کا علاج طریقے ہیں یا دو قسم کے علاج ہیں ایک ظاہری اور

دوسرا باطنی یا ایک جسمانی اور دوسرا روحانی۔ پہلے ہم جسمانی بتاتے ہیں پھر روحانی بتائیں
 ہے۔ جمانی چونکہ شیطان کی طرف سے ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام شیطان سے
 محفوظ ہیں (شامی) لہذا ان کو جمانی نہیں آتی تھی۔ اور ہمیں شیطان کی ہر بات کی مخالفت
 کرنے کا حکم ہے اس لئے جمانی کو بھی روکنے کا حکم ہے نماز میں بھی اور نماز سے باہر
 بھی اور اس کو روکنے کے ظاہری یا جسمانی طریقے تین ہیں ایک طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہونٹ
 انٹوں کے درمیان کر کے منہ کو بند کر لیں اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ صرف نیچے کے
 ہونٹ کو دانٹوں کے درمیان کر کے منہ بند کر لیں اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ
 پشت سے اپنا منہ ڈھانپ لیں یعنی منہ پر دائیں ہاتھ کی پشت رکھ لیں جبکہ نماز
 میں قیام کی حالت میں ہوں اور اگر بیٹھے ہوں تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ پر رکھ لیں کیونکہ
 حکم اصلی یہ ہے کہ عام حالات میں جمائی کے وقت ہونٹوں کو دانٹوں کے درمیان
 بیکر جمائی کو روکیں اور اگر اسکی قدرت نہ ہو تو بائیں ہاتھ کی پشت منہ کے آگے کر دیں
 اور اس سے منہ کو ڈھانپ لیں۔ دائیں سے ایسا نہ کریں، لیکن نماز میں جب قیام کی حالت میں
 ہوں تو چونکہ اس وقت بائیں ہاتھ نیچے اور دائیں ہاتھ اوپر ہوتا ہے تو بائیں سے یہ کام لینے
 کی صورت میں دائیں ہاتھ کو اپنی جگہ سے ہلانا پڑے گا تو اس سے دونوں ہاتھوں کا سکون
 خراب ہوگا جبکہ دائیں سے یہ کام لینے پر بائیں ہاتھ کو نہیں ہلانا پڑے گا اور نماز ایک ایسی
 حالت ہے کہ اس میں سکون مطلوب شرع ہے حدیث میں ہے «اسْتَكُنُوا فِي
 الصَّلَاةِ» (صحیح مسلم) کہ نماز میں سکون پکڑو، لیکن بیٹھنے کی صورت میں چونکہ بائیں ہاتھ
 سے یہ کام لیا جاسکتا ہے۔ لہذا اسی سے یہ عمل کیا جائیگا۔

اس کا باطنی یا روحانی علاج یہ ہے۔ علامہ شامی کہتے ہیں کہ میں نے شرح تحفۃ الملوک میں لکھا دیکھا ہے، کہ امام زہدی نے فرمایا ہے کہ:

الطریق فی دفع التثاؤب ان
یخطر ببالہ ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ
والسلام ما تشاء بواقط قال القدوری
جریناہ مرارا فوجدناہ کذلک قلت
وقد جریناہ ایضا فوجدتہ کذلک
(شامی ج ۱ ص ۴۷)

جمالی کے دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے
دل میں تصور کر لیں کہ انبیاء علیہم السلام نے کبھی
بھی جمائی نہیں لی (اس سے آپ کی جمالی بھاگ
جائے گی) امام قدوری فرماتے ہیں کہ ہم نے
اسے بارہا آزمایا تو ہم نے اسے ایسا ہی پایا
(میں شامی) کہتا ہوں کہ میں نے بھی اسے آزمایا تو اسے
ایسا ہی پایا۔

اکھڑے! اس سے ثابت ہوا کہ شیطان خبیث، انبیاء علیہم السلام کے تصور سے بھی بھاگتا
ہے جب ان کے تصور کے تصرف کا یہ عالم ہے تو خود انکی اپنی حداد قدرت و تصرف کا
کیا عالم ہوگا۔

وہمکی اللہ تعالیٰ وسلم علی نبینا وعلیہم اجمعین۔

لوہے سے زیادہ سخت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں "التحیات"

یعنی تشہد کے لیے بیٹھے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں زانوؤں پر رکھتے اور اپنی انگلی سے اشارہ کرتے اور اپنی نگاہ اپنی انگلی کے پیچھے رکھتے (یعنی اشارہ یا انگلی کی طرف دیکھتے) پھر فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

لَيْحَى أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ
صُرُورٍ، يَهْ أَسَارَةَ شَيْطَانٍ بِرُؤْسِهِ مِنْ
زِيَادَةِ سَخْتِهِ هِيَ -

الحديد - (مشکوٰۃ ص ۸۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شیطان، اس اشارہ سے جو تشہد میں "شہادت کی انگلی"

سے کیا جاتا ہے، بہت گھبراتا اور ڈرتا ہے جیسے ایک جانور، لوہے کی ضرب (مار) سے ڈرتا ہے لیکن وہ لوہے سے نہیں ڈرتا کیونکہ لوہا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا لیکن اشارہ سے بہت ڈرتا ہے کیونکہ یہ اشارہ انگلی اٹھا کر کیا جاتا ہے ایک ہی انگلی سے اور یہ

اللہ تعالیٰ کے وعدہ لا شریک ہونے کا عملی اور قوی، دونوں طرح کا، اقرار و اعتراف ہے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ" پر انگلی اٹھائی جاتی ہے، جس کا مقصد اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے

"الوہیت و خدا ہونے کی نفی کرنا ہے۔ اور "آلہ اللہ" پر انگلی نیچے جھکائی جاتی ہے جس کے

معنی یہ ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ رب العالمین کی "وَحْدَهُ" اور "يَكْتَا" ہستی کے آگے

تسليم خم کرتا ہوں، یہ عظیم شان شہادت ہے، جو ایک کافر کو مسلمان اور جہنمی کو

جنتی کر ڈالتی ہے بشرطیکہ وہ اسے دل کی گہرائی اور اخلاص کی پہنائی کے ساتھ پڑھے،

اور یہ شیطان کے لیے ناقابل برداشت ضرب ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ

پاکیزہ کلمات و اشارات کی تاثیر مادی آلات و اسباب سے کہیں زیادہ ہے

شیطان کی جھپٹ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ نمازی کا نماز میں دائیں بائیں دیکھ لینا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا:

هو اختلاس يختلسه الشيطان من صلاة العبد (مشکوٰۃ ص ۹)

کہ وہ (چیز جس کے بارے میں تم نے پوچھا) جھپٹ مارنا، اسے شیطان بند کی نماز سے جھپٹ مارتا ہے۔

نماز ایک اہم عبادت ہے، یوں تو شیطان ہر عبادت کا دشمن ہے اور ہر اچھے کام سے بندے کو روکتا ہے لیکن نماز اور انفاق (خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے) کا تو سب سے بڑھ کر دشمن ہے اس لیے کہ انسان دو باتوں سے "انسان کامل" بنتا ہے ایک "اصلاح نفس" سے جس کا ذریعہ نماز ہے اور دوسری "حُبِّ خداوندی" سے جو اس کی راہ میں مال عزیز نہ خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لیے اس کی کوشش ہوتی ہے کہ انسان نہ نماز بڑھے اور نہ ہی اسکی راہ میں مال خرچ کرے تاکہ وہ درجہ کمال و مرتبہ عرفان کو نہ پاسکے، پیناچہ مولانا رومی فرماتے ہیں:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا
ہرچہ داری صرف کن در راہ او

یعنی تم نیکی (مرتبہ عرفان) کو ہرگز نہیں حاصل کر سکتے یہاں تک کہ جو کچھ مال رکھتے ہو اس کی راہ میں خرچ کر دو۔

لہذا جو مہنی بندہ نماز میں مصروف ہوا شیطان اس کے دل میں طرح طرح کے خیالات و دوسو سے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان نماز کی حالت میں ادھر ادھر نظریں پلٹنا شروع کر دیتا ہے، اگرچہ صرف نظر پھیرنے سے کچھ نہیں ہوتا تاہم اس سے دلی توجہ جمع نہیں ہوتی بلکہ منتشر ہو جاتی ہے اور اگر گردن پھیر کر دیکھیں گے تو نماز مکروہ ہوگی اور ثواب میں کمی آ جائے گی اور اگر سینہ ہی کعبہ سے پھر گیا تو سرے سے نماز ہی ٹوٹ جائے گی۔ اور وہ حدیث صحیح و معتبر نہیں ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گوشہ چشم سے دائیں بائیں کے مقتدیوں کو دیکھتے تھے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۳)

شیطان کو بھگانے والا عمل

حدیث شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

”جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور بھاگتے ہوئے اسکی ہوا خارج ہو جاتی ہے جسکی آواز بھی ہوتی ہے یعنی گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے“ **حَتَّىٰ لَا يَسْمَعَ التَّادِينَ** ” تاکہ اذان کی آواز نہ سنے پس جب اذان کہہ دی جاتی ہے تو واپس آ جاتا ہے یہاں تک کہ جب تکبیر کہی جاتی ہے تو بھاگ جاتا ہے پس جب تکبیر چھوڑتی ہے تو واپس آ جاتا ہے یہاں تک کہ **يَخْطُرُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ** ” انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ کہتا ہے یاد کر اس طرح کی بات، یاد کر اس طرح کی بات، ان باتوں کو یاد دلاتا ہے جنہیں وہ یاد نہیں رکھتا تھا۔ یہاں تک انسان (غازی) کا یہ حال ہو جاتا ہے کہ **لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى** ” اے معلوم نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں“ (مشکوٰۃ)

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ شیطان اذان و اقامت سے بھاگ جاتا ہے۔ اسی فلسفہ کے تحت بعض فقہاء اہل سنت میت کو دفن کرنے کے بعد اسکی قبر پر اذان دینے کو مستحب سمجھتے ہیں کہ وہ میت کا وقت امتحان ہے کہیں اسے شیطان بہکا نہ دے اذان سے نہ صرف شیطان بھاگ جائے گا بلکہ اس پر سوالوں کا جواب دینا بھی آسان ہوگا۔ اسی طرح بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اسکو چھوٹا ہے حدیث میں ہے کہ اسی وجہ سے بچہ پیدا ہونے کے بعد روتا ہے تو شریعت نے نپتے کے کان میں اذان دینے کا حکم دیا تاکہ شیطان بھاگ جائے اور اس کا اثر بھی زائل ہو۔ اسی طرح غمگین کے کان میں اذان کہی جائے تو اس کا غم دور ہو جاتا ہے اور جس پر بے ہوشی

طاری ہو اور اس کے کان میں بھی جو سرکش ہو خواہ آدمی ہو یا جانور اور اس مکان میں بھی اذان دینی جہانجات و شیاطین کا ڈیرہ ہو اور وہ مکان والوں کو تنگ کرتے ہوں اور راستہ بھولنے والا بھی اذان کہے تو راستہ مل جائیگا اور جہاں آگ لگی ہو وہاں اذان دمی جائے تو انشاء اللہ آگ بجھ جائیگی۔ الغرض اذان سے شیطان بھاگتا ہے۔
(شامی ج ۱ ص ۲۸۵)

شیطان کی وادی امام مالکؒ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ نے کہا کہ :

” ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے آخری حصہ میں مکہ مکرمہ کے راستے میں قیام فرمایا اور آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بات کی ذمہ داری سونپی کہ وہ انہیں صبح کی نماز کے لیے بیدار کریں گے۔ تو حضرت بلال سو گئے جب کہ وہ سب سو چکے تھے یہاں تک لوگ بیدار ہوئے جبکہ سورج ان پر طلوع ہو چکا تھا تو لوگ گھبرا اٹھے پس انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار ہونے کا حکم دیا تاکہ اس وادی سے نکل جائیں اور فرمایا ” هَذَا وَادِيهِ شَيْطَانٌ جَوْ“ یہ ایک ایسی وادی ہے جس میں شیطان ہے تو لوگ سوار ہو گئے یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سوار یوں سے اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا اور بلال کو اذان دینے اور تکبیر کہنے کا فرمایا پس آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی پھر فارغ ہو گئے اور لوگوں کی گھبراہٹ محسوس کی تو فرمایا :

يُنَايِئُهَا النَّاسُ إِنْ أَلَّ اللَّهُ قَبْضَ
أَرْوَاحِنَا وَكُوشَاءَ لَرَدِّهَا إِلَيْنَا
فِي حِينٍ غَيْرِ هَذَا فَإِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ
اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ نے ہماری
روحیں اپنے قبضے میں کر رکھی تھیں اگر وہ
چاہتا تو انہیں اس وقت کے علاوہ کسی اور

عَنِ الصَّلَاةِ أَوْ نَسِيَهَا تَعْرِفَ فَرَّحَ
إِلَيْهَا فَلْيُصَلِّهَا كَمَا كَانَ يُصَلِّيهَا
فِي وَقْتِهَا. (مشکوٰۃ)

وقت میں لوٹا دیتا، تو جب تم میں سے کسی کی نماز فینذ کی
وجہ قضا ہو جائے یا اس کی نماز بھول جائے تو پھر وہ نماز کی طرف
پناہ لے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز کو ویسے ہی ادا
کرے جیسے وہ اس کے وقت میں ادا کرتا تھا۔

پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف توجہ فرمائی تو فرمایا کہ شیطان بلال کے
پاس آیا اور وہ نماز پڑھ رہا تھے پس شیطان نے اسے لٹا دیا پھر اسے تھپکیاں دے
دے کر سلاتا رہا جیسے بچے کو تھپکیاں دمی جاتی ہیں یہاں تک کہ بلال سو گئے۔ پھر آپ نے
حضرت بلالؓ کو بلایا تو بلالؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ویسے ہی بتایا جیسے حضور نے حضرت
ابو بکرؓ کو بتایا تھا تو ابو بکرؓ نے سائتہ بول لٹھے "أَشْهَدُ أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ" میں گواہی
دیتا ہوں کہ آپ بے شک اللہ کے رسول ہیں۔ (مشکوٰۃ) ص ۶۷

حدیث مذکورہ سے ثابت ہونے والے احکام و مسائل

- ۱- ایک گروہ کا اپنے میں سے کسی ایک کو نماز کے لیے بیدار کرنے کی ذمہ داری سونپنا
اور خصوصاً اسکی جوان میں سے مؤذن ہو یعنی اذان دیتا ہو۔
 - ۲- مؤذن اگر کبھی سو جائے اور اذان نہ دے سکے تو اس کا مواخذہ نہ ہونا۔
 - ۳- پورا گروہ ہی سوتا رہ جائے اور سب کی نماز قضا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ
کے نزدیک ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔
- کیونکہ ایک اور حدیث میں ہے کہ تین شخصوں سے شریعت کا قلم اٹھایا گیا ایک
بچے سے جب تک بالغ نہ ہو دوسرے پاگل سے جب تک عقلمند نہ ہو تیسرے سو
والے سے جب تک بیدار نہ ہو۔

۴- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وادی کے بارے میں فرمانا کہ اس میں شیطان ہے

اس بات کا بستی ہے کہ دینی نقصان کی نسبت رحمن کی طرف کرنے کی بجائے شیطان کی طرف کی جائے کیونکہ شیطان انسان کے دینی و اخروی نقصان کرانے کے درپے رہتا ہے۔

۶ - سونے والوں کی رو میں ایک طرح سے قبض ہو جاتی ہیں اسی لیے حدیث میں نیند کو موت کی بہن فرمایا گیا ہے لہذا بیدار ہونے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانا چاہیے اور نماز میں کوتاہی نہیں کرنا چاہیے۔

۷ - خدا نخواستہ اگر نیند کی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو بیدار ہونے پر بلا تاخیر اسے ادا کرنا چاہیے یہ ضروری ہے۔

۸ - اگر دو یا دو سے زیادہ افراد ہوں تو فوت شدہ نماز کو اذان و اقامت کے ساتھ باجماعت ادا کرنا چاہیے۔

۹ - اگر محل میں ہیں جہاں قرب جوار میں اذان ہوتی ہے تو وہاں دوبارہ اذان کہنے کی ضرورت نہیں حدیث مذکور کے الفاظ ”فَلْيُصَلِّهَا“ کے فرمانِ ذی شان سے ایسا ہی نظر ہوتا ہے۔

ابلیس کا سجدہ ! شیطان کو قرآن کریم میں ابلیس کہا گیا اور ابلیس ابلاس

سے ماخوذ ہے جس کے معنی ناامید ہونے کے ہیں۔ اسے ابلیس اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور ابلیس (شیطان) کو آزمانے کے لیے حکم دیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تاکہ اس طریقہ سے اس بات کا اظہار ہو جائے جو اسے ازل سے معلوم تھی یعنی اس نے چاہا کہ اس کے علم ازل کا واقعاتی اور مشاہداتی طریقہ سے ظہور ہو کیونکہ وہ ازل سے جانتا تھا کہ فرشتے اطاعت کریں گے اور ابلیس اطاعت نہیں کریگا بلکہ اس کی جگہ تکبر و انکار کرے گا اور یہ کہ فرشتے اس کی اطاعت کر کے اس کے اولیاء و محبوب بندے ہوں گے اور شیطان و ابلیس نافرمانی اور عزور کر کے اس کا دشمن ہوگا لہذا اس نے اپنے علم ازل کو ظاہر کرنے کے لیے انہیں حکم دیا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں تاکہ اس سے اس کے فرمانبردار اور نافرمان بندوں کے درمیان تمیز و تفریق اور اس کے علم ازل کا ظہور عیالی ہو جائے اور یہ سجدہ جو حضرت آدم کو کرایا گیا سجدہ تعظیم تھا سجدہ عبادت جسے سجدہ شرعیہ بھی کہتے ہیں، نہ تھا نیز واضح ہو کہ یہ سجدہ "وَضَعُ الْجَبْهَةَ عَلَى الْأَرْضِ" (زمین پر پیشانی رکھنے) کی صورت میں تھا اور سجدہ تعظیم پہلی شریعتوں میں جائز ہوا کرتا تھا جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انکو سجدہ کیا اور اس قصہ میں قرآن کریم کے الفاظ میں "وَسَجَدَ لَهُ سُجَّدًا" اور وہ یوسف علیہ السلام کے لیے سجدہ میں گر گئے یہ "گر گئے یا گر پڑے" کے الفاظ اس حقیقت کو کھلے طور پر واضح کر رہے ہیں کہ یہ سجدہ زمین پر پیشانی رکھ دینے کی صورت میں تھا اور سجدہ تعظیم پہلے جائز تھا، ابتداء میں بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آئندہ نہ کرنے کی ہدایت فرمائی ایک اور حدیث

میں ہے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ نے انکو منع فرمایا اور فرمایا مخلوق کو جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرے اور اگر کسی کو اللہ کے سوا کسی اور کیلئے سجدہ کی اجازت دی جاتی تو عورت اپنے خاوند کو سجدہ کرتی اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ اس کے خاوند کا اس پر بڑا حق ہے۔

کیا شیطان پہلے سے کافر تھا

شیطان کے بارے میں قرآن کریم میں فرمایا گیا

”وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ“ (البقرہ) اس کا ایک معنی تو یہ کیا جاتا ہے کہ ابلیس کافروں سے تھا۔ اور دوسرا معنی یہ کیا جاتا ہے کہ ابلیس کافر ہو گیا یعنی پہلے نہ تھا بعد میں ہو گیا، امام اہل سنت اعلیٰ حضرت عظیم البرکۃ شاہ احمد رضا خاں محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے یہی فرمایا اور وہ کافر ہو گیا۔ ”اکمافی کفرا لایمان للامام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والوصوانا علامہ امام محی الدین شیخ زادہ علیہ الرحمۃ السنونی ۶۵ھ حاشیہ علی البیضاوی میں لکھتے ہیں کہ بلاشبہ :

عام اہل سنت اور جمہور محققین کے نزدیک یہ بات ہے کہ ابلیس ابتدائے پیدائش سے کافر نہ تھا بلکہ وہ مومن تھا پھر کافر ہو گیا۔

ان المختار عند عامۃ اهل السنة
وجمهور المحققین ان ابلیس کفر یکن
کافرا من اول حدوث الامر الی ان
قال بل الله کان مومناً ثم تصاد کافراً۔
(حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی ج ۱ ص ۲۵۸)

شیخ زادہ علیہ الرحمۃ کے ارشاد سے یہ حقیقت ہو گئی کہ شیطان جسے قرآن میں ابلیس کے نام سے یاد کیا شروع سے کافر نہ تھا بلکہ مومن تھا اور بعد میں کافر ہوا۔ اس کے بعد آگے موصوف مزید لکھتے ہیں :

” بلکہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے زمین کی بادشاہی دی اور آسمان کی بادشاہی دی اور جنت کا خزانہ بخشا۔ پس وہ کبھی تو زمین میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا اور کبھی آسمان میں اور کبھی جنت میں اور مروی ہے کہ اس نے اسی ہزار سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی، پس کیسے کہا جاتا ہے کہ وہ شروع وجود سے لیکر ابد تک کافر تھا بلکہ وہ مومن تھا پھر اللہ تعالیٰ کے حکم نہ ماننے اور اس کا بُرا ماننے سے کافر ہو گیا اور بے شک یہ ایک صحیح بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننا ایمان اور اس پر عمل کرنا فرمانبرداری اور اسے چھوڑنا معصیت و گناہ اور اس کا بُرا ماننا اور ٹھکرا دینا کفر ہے (الی ان قال) بلکہ شیطان نے صرف حکم الہی کو ٹھکرا دیا اور اس کا بُرا ماننا اس حرکت میں اپنے آپ کو حق پر بھی قرار دیا اور بولا ” اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ “ کہ میں اس آدم سے بہتر ہوں جبکہ حقیقت اس کے برعکس تھی کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام فرشتوں سے افضل تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں پس اگر حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل نہ ہوتے تو انہیں حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم نہ دیا جتنا کہ اعلیٰ مرتبے والے کو حکم نہیں دیا جاسکتا کہ وہ ادنیٰ مرتبے والے کو سجدہ کرے علاوہ ازیں حضرت آدم فرشتوں سے بڑھ کر تھے کیونکہ انہوں نے وہ تمام باتیں بتادیں جو فرشتے نہ بتا سکتے اور زیادہ

علم والا کم علم والے سے افضل و اعلیٰ ہوتا ہے اور حضرت آدم فرشتوں کو ان تمام چیزوں کے نام بتا کر ان کے معلم و اساذ ٹھہرے اور فرشتے متعلم و شاگرد۔ اور ظاہر ہے کہ معلم کا مرتبہ متعلم سے بلند ہوتا ہے لہذا حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہوئے اور اس آیت سے، جس میں فرشتوں کو حکم ہوا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں، ثابت ہوا کہ ابلیس (شیطان) فرشتوں سے تھا۔ لیکن جب اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی (جس کا اسے وقتی طور پر آزمائش کے لیے اختیار دیا گیا تھا۔ اور طاقت و قوت کے ذریعے اسے سجدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا تھا) تو اللہ تعالیٰ اس پر ناراض ہوا اور اس پر لعنت فرمائی اور اسکی شکل و صورت بھی مسخ فرمادی (بدلتہ الیٰ)

تب وہ شیطان مردود بن گیا۔ اور قرآن کریم میں ایک جگہ جو فرمایا گیا کہ "كَانَ مِنَ الْجِنَّ" وہ جن تھا، اس کا یہ ترجمہ ہوگا (صَانٌ مِنَ الْجِنَّ) کہ وہ جنوں سے ہو گیا۔ جیسا کہ "وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ" کا ترجمہ ہے کہ وہ کافروں سے ہو گیا۔

ایک اعتراض

یہاں یہ سوال کہ ابلیس فرشتوں سے کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ فرشتوں کی کوئی اولاد اور نسل نہیں جبکہ اسکی اولاد نسل ہے اور اولاد مادہ سے پیدا ہوتی ہے اور فرشتوں میں کوئی مادہ نہیں قرآن کریم میں ہے کہ:

وَجَعَلُوا الْمَلَائِكَةَ الَّذِينَ هُمْ عِبَادُ الرَّحْمَنِ إِنَاثًا (الزحرف ۱۹)

اور انہوں (مشرکوں) نے فرشتوں کو جو رحمن کے بند ہیں عورتیں ٹھہرایا۔

اللہ تعالیٰ نے منترکین کے اس خیال کی مذمت فرمائی کہ فرشتے مادہ یا مؤنث ہیں۔ جب فرشتے مادہ و مؤنث نہ ٹھہریں اور شیطان فرشتوں سے تھا تو وہ مؤنث نہ ہوا، ایسی صورت میں اسکی اولاد اور نسل آگے کیسے بنی؟ جبکہ قرآن میں یہ بھی ہے کہ شیطان کی اولاد ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَتَخَذُونَكَ ذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِیَ؟ (الکہف : ۵۰)

بھلا کیا تم اسے اور اسکی اولاد کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟

تو وہ فرشتہ کیسے ہوا؟

جواب

اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان نے جب نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی صورت ملکیہ (فرشتوں والی صورت) کو مسخ کر دیا اور تو والد و تناسل والی صورت سے بدل دیا یعنی ایک تو اس کی شکل و صورت کو بدلا اور دوسرے اس میں وہ خاصیت رکھ دی جو جنوں میں ہے اور سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

فرماتے ہیں کہ

ان للاثکتہ ضربا بتوالدون
بقال لہم الجن ومنہم ابلیس۔
بلاشبہ فرشتوں کی ایک قسم ایسی بھی ہے جو بچے
بختے ہیں انکو جن کہتے ہیں۔ اور ابلیس ان میں

سے ہے۔

(بیضاوی)

اس جواب کی روشنی میں سرے سے اعتراض ہی پیدا نہ ہوگا۔

اعتراض و جواب

رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ کا دستور چلا آ رہا ہے کہ اس نے جن قوموں یا جن لوگوں کی صورتیں مسخ کر دیں وہ تین دن سے زیادہ زندہ نہ رہے اور نہ ہی آگے ان کی اولاد و نسل چلی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ابلیس کے ساتھ بھی ایسا ہونا تھا کہ صورت و شکل کے بدل جانے کے بعد حسب دستور خداوندی یہ تین دن کے اندر ہلاک کر دیا جاتا لیکن اس نے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگ لی اور قیامت تک زندہ رکھے جانے کا وعدہ لے لیا اس لیے یہ ہلاکت سے بچ گیا اول سورہ کہف میں جو فرمایا گیا "كَانَ مِنَ الْجِنِّ" کہ ابلیس جنوں میں سے ہو گیا اس کا یہی معنیوم ہے کہ پہلے تو فرشتہ تھا لیکن نافرمانی کا مرتکب ہوا تو اس کی شکل و صورت بدل دی گئی۔ فرشتے سے جن بنا دیا گیا اور تو والد و تناسل و عنیہ ایسی جنوں والی صفات بھی اس میں ودیعت رکھ دی گئیں اور قرآن کریم میں جہاں آتا ہے کہ فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے، کہ اس نے انکار اور تکبر کیا "یہاں اور ایسے دیگر مواقع پر ابلیس کا تذکرہ فرشتوں میں کیا ہے پھر حرف استثناء (الا) کے ساتھ اسے مستثنیٰ فرمایا گیا اور استثناء کا قاعدہ یہ ہے کہ اسے اپنی اصل پر مونا چلے تھے قبل (مستثنیٰ منہ) کی جنس سے ہو اس قاعدہ کی رو ابلیس (شیطان)

فرشتوں سے قرار پاتا ہے چنانچہ قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :

” ان ابلیس کان من الملائكة
والا لعیتنا وله امرهم وکفریتنا وله
امرهم ولم یصح استثناءه منهم الخ
(تفسیر بیضاوی)

یہ آیت (فَسَجَدُوا لِاِبْلِيسِ) اس بار پر دلالت
کرتی ہے کہ بیشک ابلیس فرشتوں میں سے
تھا ورنہ ان کا امر اسے شامل نہ ہوگا اور نہ ہی
ان میں سے اسی کا استثناء صحیح ہوگا۔

اسکی شرح میں شیخ زادہ فرماتے ہیں

یعنی انه لو لم یکن من الملائكة لما
صح استثناءه منهم لان الاستثناء
انما یعلق بما یكون من جنس
المستثنى منه فیکون استثناءه
من الملائكة مستلزما لكونه من
الملائكة وَالَا سْتِثْنَاءُ الْمَنْقُوعِ وَان
كَانَ شَائِعًا مَشْهُورًا فِي كَلَامِ الْعَرَبِ
اِلَّا اِنَّهُ خِلَافُ الْاَصْلِ فَلَا یَقَعُ
فِي الْكَلَامِ الْمَفْصِيحِ

یعنی اگر ابلیس فرشتوں میں سے نہ ہوتا تو اس کا
فرشتوں کے استثناء درست نہ ہوگا کیونکہ استثناء
تو اس کے ہی متعلق ہوتا ہے جو مستثنیٰ منہ کی جنس
سے ہوتا ہے پس ابلیس (شیطان) کا فرشتوں
سے استثناء اس بنا کو لازم کرتا ہے وہ فرشتوں
سے ہوا استثناء منقطع اگرچہ کلام عرب میں مشہور و
رائج ہے لیکن یہ اصل (قاعدہ) کے خلاف
ہے پس یہ خدا تعالیٰ کے کلام فصیح میں واقع
نہیں ہو سکتا۔

شیخ زادہ ج ۱ صفحہ ۲۵۹

تعوذ کے فقہی احکام

کیا تعوذ قراءت سے پہلے واجب ہے ظاہر آیت کو دیکھتے ہوئے امام

ابراہیم و امام ابن سیرین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی تلاوت کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھے اور یہ کہ عبادت کے بعد ہی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے اور شیطان سے پناہ مانگنا ایک دعا ہے جو ہمیشہ مانگی جاتی ہے۔ لیکن جو حدیث صحیح میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت قرآن سے پہلے ہی تعوذ فرماتے (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھتے) تھے اور سلف و خلف یعنی متقدمین و متاخرین کا اس پر اجماع منقذ ہو چکا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت قرآن سے پہلے ہی تعوذ فرماتے، پھر بعض کے نزدیک قراءت سے پہلے تعوذ واجب ہے لیکن جمہور علماء کے نزدیک سنت (مستحب) ہے اور اس کے مستحب ہونے اور واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سیدنا عبدالشہر بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات کے نصف یا اس سے کچھ پہلے یا بعد بیدار ہوئے تو اٹھ کر بیٹھ گئے اپنے ہاتھ مبارک سے چہرہ اقدس سے نیند پونچھنے لگے پھر آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا۔ سورۃ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں پڑھ کر ختم کیں پھر پانی کے شکرہ کی طرف جو معلق تھا، کھڑے ہوئے پھر اچھی طرح وضو فرمایا الخ (صحیح البخاری ج ۱ ص ۱۸۱) اسی طرح کی حدیثیں صحیح مسلم میں بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی متعدد آیات تلاوت فرمائیں لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے اس سے پہلے تعوذ کیا (اعوذ باللہ پڑھا) جو اسی طرح بسم اللہ پڑھنا بھی ہر موقع پر ثابت نہیں لہذا اسے واجب یا ضروری قرار نہیں دیا جاسکتا۔

مناسک میں تعوذ کا حکم

مناسک میں قراءت سے پہلے تعوذ میں فقہاء کا اختلاف

ہے امام اعظم ابوحنیفہ و امام احمد بن حنبل علیہما الرحمۃ فرماتے ہیں کہ صرف پہلی رکعت میں پڑھیں اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں پڑھنا چاہیے امام حسن و حضرت عطاء و امام ابن سیرین فرماتے ہیں کہ تعوذ ہر رکعت میں مستحب ہے۔ ان ائمہ کے دلائل انہی کتابوں میں مذکور ہیں امام اعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ اور ان کے پیروکار رضویوں کی دلیل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں ثناء کے بعد تعوذ فرماتے (اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم پڑھتے) تھے۔ اگر کوئی مناسک میں تعوذ بھول گیا اور سورہ فاتحہ شروع کر دی تو تعوذ رہ گئی اب اس کے پڑھنے کا موقع ہی نہیں رہا۔ اس کے لیے سورہ فاتحہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ حتیٰ کہ اگر کوئی تکبیر تحریمیہ کے بعد ثناء تعوذ و تسبیح میں سے کوئی ایک یا دو یا تینوں کا پڑھنا بھول گیا اور سورہ فاتحہ شروع کر دی تو اس دوران یاد آ گیا کہ یہ چیزیں بھول گئیں تو انہیں رہنے ہی دیں سورہ فاتحہ کو مکمل کریں اور اس کے بعد اگلی سورہ ملائیں۔ اس صورت میں سجدہ ہو بھی نہیں ہوگا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر طالب علم اپنے استاد محترم (جس سے دینی تعلیم پا رہا ہے) کے سامنے قراءت کرے تو از براہ ادب تعوذ نہ کرے یعنی اس کے لیے تعوذ کرنا سنت نہیں، ہاں جائز ہے اور جہاں جہاں بھی شیطان کے دوسرے کا اندیشہ ہو وہاں اس کا پڑھنا مسنون ہے اور جب بیت الخلاء میں جائیں اس وقت بھی تعوذ کرنا چاہئے لیکن ان الفاظ کے ساتھ:

”اللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبۡثِۃِ“ اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں تیری

وَالْخُبَاۡثِۃِ“ خبیث جنوں اور خبیث جنیوں سے“

علامہ شامی نے ذخیرہ کی بحث کا خلاصہ لکھتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی شخص بسم اللہ اور الحمد للہ، ایسی قرآن میں سے کوئی چیز پڑھے تو اگر مقصد قراءت و تلاوت ہو تو اس سے

پہلے تَعُوذِ کرے اور اگر مقصد تلاوت و قراءت نہ ہو جیسے طالب علم اساذ کی خدمت اپنے درس و علم کا آغاز کرنے کو لیسیم اللہ پڑھتا ہے تو وہ تَعُوذِ نہ کرے اور اسی طرح الحمد للہ سے شکر کی نیت ہے تلاوت قرآن کی نہیں تو تَعُوذِ کی حاجت نہیں اور اگر کوئی ایسا کام کرنا چاہتا ہے جس میں شیطانی دخل کا امکان و اندیشہ ہے تو وہاں بھی تَعُوذِ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ شامی ج ۱ ص ۲۸۹)

جو شخص امام کے ساتھ پہلی رکعت میں شامل نہیں ہو سکا وہ جب امام کے سلام پھرنے کے بعد اپنی اس رکعت کو الگ پڑھیکے تو وہ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ کے بعد تَعُوذِ بھی کرے گا اور جو شروع سے پہلی رکعت میں امام کے ساتھ ہے وہ صرف ثناء تک محدود رہے گا اور امام نماز عید میں پہلے تکبیریں کہے گا پھر تَعُوذِ کرے گا کیونکہ تَعُوذِ کا تعلق قراءۃ کے ساتھ ہے اور قراءۃ تکبیروں کے بعد ہی ہوتی ہے (در مختار مع شامی ص ۲۸۹، ۲۹۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تَعُوذِ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوتے تو یوں فرماتے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْخُبْثِ وَالْخُبَّائِثِ" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۸۹) صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ حدیث کی دوسری کتابوں میں پہلے بسم اللہ کا ذکر ہے کما ذکرہ النووی فی الاذکار :

"بِسْمِ اللَّهِ اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ اللہ کے نام سے شروع، اے اللہ میں
مِنَ الْخُبْثِ وَالْخُبَّائِثِ (کتاب الاذکار ص ۲۸۹) تیری پناہ مانگتا ہوں خبیث جنوں اور جنیسوں سے
اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ :

بِسْمِ مَا بَيْنَ أَعْيُنِ الْجَنِّ وَعَوْرَاتِ
جنوں کی آنکھوں اور بنی آدم کی شرمگاہوں

بِنِي آدَمَ إِذَا دَخَلَ الْكَيْفَ أَنْ
يَقُولَ بِسْمِ اللَّهِ ،
کے درمیان پر وہ ، جب وہ (آدمی)
بیت الخلا میں داخل ہو، یہ ہے کہ کہے
”بِسْمِ اللَّهِ“ (تمذیہ)

یعنی جب انسان بیت الخلا میں داخل ہو تو اسے پہلے بسم اللہ پڑھ لینا چاہیے
اس کا بسم اللہ پڑھنا اس کے لیے ستر ہو جائے گا، جنات و شیاطین اسکی شر مگاہ کو
نہیں دیکھ سکیں گے امام نووی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مستحب یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ
کہے پھر کہے ”اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْحُبِّ وَالْحَبَائِثِ“ (کتاب الاذکار ص ۲۸)
بیت الخلا، تخلیہ کی جگہ یا تخلیہ کا گھر یعنی علیحدگی کی جگہ اس میں طہارت خانہ،
غسل خانہ، رفع حاجت کی جگہ سب آجاتے ہیں۔ جہاں انسان کو اپنی حاجت بشری
کے لیے ستر کھولنا پڑے وہ بیت الخلا کے مفہوم میں آجاتا ہے وہاں تسمیہ و تعوذ پڑھنا
چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی ایسے مواقع پر تعوذ فرمایا حالانکہ آپ
معصوم تھے، شیطان کسی طرح بھی آپ کو غلط بات پر آمادہ نہیں کر سکتا تھا پھر
بھی آپ کا تعوذ فرمانا حدیثوں سے ثابت ہے اور یہ دراصل امت کی تعلیم کیلئے
تھا، چنانچہ امام ابن علان علیہ الرحمۃ شرح و جنیز علی الاذکار میں فرماتے ہیں۔

وَمَعْلُومَانِ هَذِهِ الْأَسْتِعَاذَةُ مِنْ
تَوَاضِعٍ وَتَعْلِيمٍ لِأُمَّتِهِ كَمَا تَقَرَّرَ
وَأَلَّا فَهُوَ مَحْفُوظٌ مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ
كَمَا يَدُلُّ عَلَيْهِ خَيْرٌ ”الْإِرَانُ“
اللَّهُ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَاسْلُمَا مَخ
(شرح وجین ص ۲ طبع مصر)

اور یہ معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کا تعوذ فرمانا آپ کی طرف سے تواضع اور
آپ کی امت کی تعلیم کے لیے ہے جیسا کہ
ثابت ہو چکا اور نہ آپ تو جنوں اور انسانوں
کے شر سے محفوظ ہیں جیسا کہ اس پر یہ
حدیث دلالت کرتی ہے ”خبر دار بلا شیبہ“

اللہ تعالیٰ نے مجھے شیطان پر مدد دی تو وہ مسلمان ہو گیا یا میرا اس سے سلامت رہتا ہوں

اور وہ بھگے بھلائی کے سوائے اور کسی بات کا حکم نہیں دیتا۔

ایسے مقامات و مواضع جہاں دوسو سے نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔

اب ہم کچھ ایسے مقامات و مواضع کی نشاندہی کرتے ہیں جہاں دوسو سے نہایت ہی نقصان دہ ثابت ہو سکتے ہیں لہذا وہاں دل کو دوسووں اور لایینی تخیلات سے محفوظ رکھنا از حد ضروری ہے۔

۱۔ ان مقامات و مواضع میں سے ایک سونا اور سونے سے پیدا ہونے کا موقع ہے جب آنکھ بند ہو اور جب آنکھ کھلے اور بیدار ہوں تو اس وقت دل میں دنیاٹے دن (ذلیل دنیا اور کارہائے دنیا) کا خیال نہ لائیں اور نہ ہی کسی دنیا دار کا اور نہ ہی اس سے ملنے کا، اور دنیا کی کسی اور چیز کا کیونکہ یہ بھی شیطانی دوسووں میں سے ایک دوسو ہے کہ یاد الہی کی جگہ غیر کی یاد آئے اور توجہ الی اللہ کی بجائے توجہ الی غیر ہو جائے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ نیند کرنا، اس عالم و جہاں سے منقطع ہونا اور ٹھکانا ہے تو ایسی صورت میں اسی کی یاد کو سینے سے لگاٹے ہوئے اس جہان بیداری سے الگ ہوں کہ اگر خدا نخواستہ اسی حالت میں موت آجائے تو اسی کی یاد پر ہی آئے اسی طرح نیند ایک طرح سے موت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے چنانچہ اس روایت میں ہے "التَّوَهُُّرُ اخْتِ الْمَوْتِ کہ نیند، موت کی بہن (مانند) ہے لہذا نیند کے بعد اٹھنا ایک نئی زندگی پانا ہے اور نئی زندگی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے لہذا اسی نئی زندگی کے حصول پر بھی اسی محسن کی ہی یاد آنی چاہیے جس نے نعمت زندگی بخشی اور ایسا احسان عظیم کیا، بلکہ یاد کے ساتھ ساتھ اسکی شکر گزاری سے لگنائی کرنا ہی بندگی کا تقاضا ہے۔ یہی وجہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہونے ایسے کلمات قدسیہ کو زبان اقدس پر لاکر خداٹے ذوالجلال کی شکر گزاری بجا لاتے۔ ام ابوبکر بن السنی علیہ الرحمۃ مستوفی ۳۶۵ھ اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" میں اپنی سند

کے ساتھ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت لاتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو آپ فرماتے۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ أَمَاتِنَا
وَالْبُيُوتِ الْمُنُورِ - (عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۷۴)

اور صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے یا نیند کا ارادہ فرماتے تو یہ پڑھتے تھے۔

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ
وَلَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَالْحَمْدُ لِلَّهِ وَ
سُبْحَانَ اللَّهِ وَلَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ
أَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللَّهِ اللَّهُمَّ
اعْفِ عَنِّي -

اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، اکیلا ہے
اس کا کوئی شریک نہیں اور اسی کی بادشاہی
اسکی تعریف اور وہ ہر شئی پر قادر ہے اور تمہاری
تعریفیں اللہ کیلئے اور اللہ کی پاک اور اللہ کے سوا
کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اور طاقت
دقت اللہ کی توفیق کے بغیر نہیں ہے اے اللہ
مجھے بخش دے۔

اور اسی دعا کے بارے میں امام ابو بکر ابن السنی لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہ بھی فرمایا کہ جو یہ دعا نیند سے بیدار ہو کر پڑھے گا اس کے گناہ بخشے جائیں گے اگر در
کی جھاگ کے برابر ہوں۔ (عمل الیوم واللیلۃ ص ۱۷۴) الغرض ان مقامات و مواضع میں سے
ایک سونا اور دوسرا سونے کے بعد بیدار ہونا جہاں یادِ الہی کے علاوہ کوئی د
کی نوعیت کا خیال بھی دوسرہ ہے اس سے پرہیز ترقی روح و ایمان کا موجب ہے۔

ان مواضع میں سے تیسرا مقام تلاوتِ کلامِ الہی ہے کہ وہ وقت تلاوت کر نیو
کے خدائے سے مناجات کرنے اور ہم کلام ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت
دل میں خالص یادِ الہی ہو اور اس کے کلام کے معانی و مطالبہ کے سوا کسی اور غیر

چیز کی طرف توجہ و تخیل کرنا دوسرے شیطانی ہے۔

اسی طرح ان مواضع میں سے جو تھا موضع و مقام و صنو بھی ہے کہ اس وقت بارگاہِ خدا تھے قدوس کی طرف توجہ مبذول ہونا چاہیے، دنیا کی نوعیت کے خیال و گفتگو تک سے پرہیز کرنی چاہیے کیونکہ ایسی حالت میں دنیا کے خیالات و افکار کا آنا دوسرے شیطانی ہے ان مقامات و مواضع میں سے پانچواں مقام نماز کی حالت ہے اس میں بھی جسم کیساتھ دل و دماغ بھی خدا تعالیٰ کے حضور حاضر و موجود ہوں ایسی حالت میں ادھر ادھر کے خیالات و دوسرے شیطانی ہیں جن سے پرہیز ضروری ہے۔ اس سلسلے میں بہت سے احباب شکایت کرتے ہیں کہ نماز کی حالت میں دل میں ادھر ادھر کے خیالات و دوسرے تنگ کرتے ہیں اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ کوشش کریں کہ ادھر ادھر کے خیالات و دوسرے نہ آنے پائیں اور دوسروں کے دفع کرنے کا بہتر طریقہ نماز کے الفاظ کے معنوں کی طرف توجہ رکھنا ہے، اس طرح نہ صرف دوسروں کا دفاع و خاتمہ ہو جائیگا بلکہ نماز میں خوب دل لگے گا۔ حمد و ثناء، تسبیحات و تکبیرات میں ان کے معانی کا خیال اولہ التحیات "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ" میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب و عرض سلام ہے اس میں یہ یقین ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نورِ نبوت کے اعتبار سے حاضر و موجود ہیں اور میرا سلام سن رہے ہیں اور جواب بھی عنایت فرما رہے ہیں امام غزالی نے احیاء العلوم میں اور امام تاج الدین سبکی نے شفاء السقام میں اور امام ابن عطاء اللہ سکندری نے تہذیب النفوس میں اور امام عبدالوہاب شعرائی نے المیزان الکبریٰ میں اسی کی تلقین کی ہے۔

حضرت عثمان بن ابی العاص نے عرض کی "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! بے شک شیطان میرے اور میری نماز و میری قراوت کے درمیان حائل ہو جاتا ہے اور وہ میری نماز و قراوت کو مجھ پر خلط ملط کر دیتا ہے اور شک ڈلوا دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا:

ذَٰكَ شَيْطَانٌ يُقَالُ لَهُ خَنْزَبٌ فَإِذَا
أَحْسَنَتْهُ، فَتَعَوَّفَ بِاللَّهِ مِنْهُ وَانْقَلَبَ
عَلَى يَسَارَتِكَ ثَلَاثًا -

یہ شیطان ہے اسے خنزب کہا جاتا ہے چنب
تم اس (وسوسہ) کو محسوس کرو تو اس سے اللہ کی
پناہ مانگو اور اپنے بائیں طرف تین بار تھو تھو کر دو۔
حضرت عثمان بن ابی العاص فرماتے ہیں میں نے یہ کیا تو
اللہ تعالیٰ نے وسوسہ کو مجھ سے دور کر دیا۔

فَفَعَلْتُ ذَٰلِكَ فَأَذْهَبَهُ اللَّهُ عَنِّي
(مشکوٰۃ : ص ۱۹)

خنزب افاکی زیر، نون کی جزم، زاکی زیر و زبر دونوں کے ساتھ شیطان کا لقب ہے
جس کے معنی فسق و فجور کی جرات رکھنے والا یعنی پرکھنے کا بے حیا و بد معاش۔

حضرت قاسم بن محمد رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے سوال کیا کہ ”مجھے نماز میں بہت
ہی ادھر ادھر کے خیالات و توہمات آتے ہیں، آپ نے فرمایا، تم نماز میں مصروف رہا کرو
اور ان خیالات و توہمات کی طرف کوئی دھیان نہ دیا کرو۔ یہ خیالات تم سے ہرگز نہیں
جائیں گے حتیٰ کہ تم نماز سے فارغ ہو کر یہ کہتے ہوئے پھر دو کہ میں نے اپنی نماز کو پورا
نہیں کیا۔“ (مشکوٰۃ ص ۱۹)

یعنی تم شیطان کی آرزو کے برعکس خود ہی یہ اعتراف کرتے ہوئے لوگوں میں نے
اپنی نماز پوری نہیں کی، میری نماز میں کوتاہی رہی ہے اسے شیطان تو دفع ہو جا میرا
رب کریم ہے وہ میری اس ٹوٹی پھوٹی نماز کو قبول کر لے گا۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی
کی لمعات اور ملا علی قاری کی مرقاۃ سے منقطع ہے ”ہذا اصل عظیم لرفع الوسوس“ کہ
یہ وسوسہ شیطانی کے دور کرنے کا بہترین بنیادی طریقہ و اساسی قاعدہ ہے (منقول من
حاشیہ المشکوٰۃ ص ۱۹)

چھٹا مقام علماء اہل سنت کی خدمت میں حاضری کے وقت دل کو وسوسوں اور لایعنی خیالات
سے محفوظ رکھنا ضروری ہے کہ دراصل یہی اولیاء اللہ ہیں اہم شافی فرماتے ہیں کہ اگر
علماء اہل سنت اولیاء اللہ نہیں ہیں تو روئے زمین پر کوئی بھی ولی اللہ نہیں ہے۔

یہی اصحابِ طریقت ہیں۔ ان کی حاضری میں وقتِ دل کو ہر طرح کے وسوسوں سے پاک کر کے بیٹھنا چاہیئے کیونکہ وسوسے (پراگندہ خیالات و لالچیں افکار) ان کے فیضان سے محرومی کا سبب ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

دل نگہداری دے بجا صلاں در حضور حضرت صاحبِ لال

یعنی اسے علم و عرفان کی دولت سے تہی دست لوگو! صاحبِ دل حضرات (جن کے دل علم و عرفان کے نور سے منور ہیں) کی حاضری میں اپنے دل کی وسوسوں سے حفاظت کیا کرو۔

قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر

صدیق رضی اللہ عنہم، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں۔ آپ مدینہ منورہ کے مشہور ترین سات فقہاء کرام میں سے ایک ہیں آپ نے صحابہ و غیر ہم سے بہت سی احادیث روایت کیں، آپ مدینہ منورہ میں اپنے زمانہ میں سب سے افضل و اعلیٰ و اکمل شخصیت تھے۔ آپ کے زمانہ میں کوئی بھی آپ سے بڑھ کر علم و فضل کا مالک نہ تھا۔ آپ اکابرین تابعین میں سے ہیں حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں ہم نے مدینہ میں کوئی ایسا شخص نہ پایا جسکو ہم آپ سے افضل قرار دیتے۔ آپ کا وصال ۱۸ھ میں سر سال کی عمر میں ہوا (رجال مشکوٰۃ ص ۱۴۱ والبدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۲۵)

مطلب یہ کہ حضرات کا ملین بعض اوقات دوسروں کے دلوں کے خطرات و خیالات سے مطلع بھی ہو جاتے ہیں لہذا ان کی خدمت میں حاضری کے وقت اپنے دل کو خیالاتِ فاسدہ سے پاک رکھیں اگرچہ وہ ساری فرماتے ہوئے ایسا کرنے والے کو تنبیہ فرمائیں تاہم وہ ان کے فیضان سے محروم ہو جائے گا۔ پھر فرماتے ہیں:

پیش اہل تن ادب بظاہر است کہ خدائیشاں نہان و سائر است

یعنی تن پروردار ظاہر پرست (دنیا دار) لوگوں کے سامنے تو صرف ظاہری ادب

لمحوظ رکھنا جاتا ہے کیونکہ ان سے خدا تعالیٰ خود بھی مخفی ہے اور دوسروں کے دلوں کے بھیدوں کو بھی ان سے مخفی رکھتا ہے لہذا ان کو کسی کے دل کا کیا معلوم، ان کے سامنے بیٹھے دل میں خواہ کچھ خیالات لاتے رہو انکو تو معلوم ہی نہیں ہوگا پھر فرماتے ہیں یہ پیش اہل دل ادب بر باطن است زانکہ دل شاں بر سرائر قاطن است
یعنی اہل دل کے سامنے اپنے باطن کو ادب کا پابند رکھنا ضروری ہے کیونکہ ان کے چھپی باتوں سے مطلع ہوتا ہے۔

چنانچہ اسکی شرح میں بحر العلوم لکھنوی فرماتے ہیں "کہ ایساں مطلع بر سرائر اند" (بحر العلوم شرح مشنوی ج ۲ صفحہ ۱۹) پھر فرماتے ہیں:

تو بے کسی پیش کوراں پیر جاہ : با حضور آئی نشینی پائے گاہ
یعنی تم لوگ اس کے برعکس باطن کے اندھوں (دولتمندوں اور حکمرانوں) کے سامنے حصول جاہ و منصب اور فانی منفعت کے لیے تو حضورِ دل کے ساتھ آتے اور ان کے مقابلہ میں ادب سے بچی جگہ پر بیٹھتے ہو۔

پیش بینیاں کنی ترک ادب ناریہوت رازاں گشتی حطب

لیکن اہل بصیرت (علم و عرفان والوں) کے سامنے ادب چھوڑ دیتے ہو
اسی لیے تو تم ہوس کی آگ کا ایندھن بنتے ہو مطلب یہ کہ اہل بصیرت کے حضور ادب نہ کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا ملتی ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی خواہشات اور حرص و ہوس کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور وہ عالم الوار سے کوسوں دور چلا جاتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کی عنایات انبیاء علیہم السلام پھر ان کے وارثین علماء اہل سنت کے ذریعے امت کے عوام و خواص تک پہنچتی ہیں اور شیطان چونکہ بنی آدم کا دشمن ہے اور وہ نہیں چاہتا کہ عنایات الہیہ کی لوگوں تک رسائی ہو۔ اس لیے اسکی پہلے تو یہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگ علماء اہل سنت کے گردیدہ ہی نہ ہوں

بلکہ ان سے زیادہ سے زیادہ دور ہوں، اگر خوش قسمتی سے کسی کو ان سے
 محبت و عقیدہ ہو بھی گئی اور وہ ان کے حضور آنے جانے لگا تو شیطان اس
 کے باطن میں نفاق و خرابی، بدگمانی اور خیالاتِ فاسدہ اور طرح طرح کے دوسوں سے
 پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے عام حالات میں اور خصوصاً ایسے موقع پر مسلمانوں کو
 چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کی پناہ میں دیتے ہوئے شیطان کے اس شر
 سے محفوظ رکھیں اور اپنے باطن کو دوسوں اور خیالاتِ فاسدہ سے بچائیں۔

وضو کا شیطان! شیاطین میں سے ایک شیطان، وضو پر بھی مقرر ہے

لہذا نمازی کو چاہیے کہ وضو کرتے وقت اپنے آپ کو اس کے مکر و فریب سے بھی بچائے
چنانچہ حدیث میں حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ:

إِنَّ لِلْوَضُوءِ شَيْطَانًا يُقَالُ لَهُ
الْوَلْهَانُ فَاتَّقُوا وَسْوَاسَ الْمَاءِ
وضو کے لیے ایک شیطان مقرر ہے جسے
"وَلْهَانُ" کہا جاتا ہے پس پانی کے وسواس
(مشکوٰۃ ص ۷۷) سے بچو۔

"وَلْهَانُ" وضو کے شیطان کا نام ہے اور یہ "وَلِيَّهُ يَلِيهِ" اور "يَعَالَهُ" سے ماخوذ
ہے جس کے معنی غمگین ہونے اور غم کی زیادتی سے عقل کے چلے جانے اور شدت
و جد سے حیران ہونے کے بھی ہیں، محیط المحيط میں ہے کہ

الْوَلْهَانُ شَيْطَانٌ يُغْرِي بِكَتْرَةٍ
صَبَّ الْمَاءِ فِي الْوَضُوءِ (ص ۹۸۵)
"وَلْهَانُ" شیطان ہے جو انسان کو وضو
میں پانی زیادہ بہا کرے اور اس کا تہ ہے۔

اس لیے بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ وضو میں بہت دیر لگاتے اور بار بار
اپنے اعضاء پر پانی بہاتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ بہت سا پانی اور بہت سا
وقت خرچ کر کے ہی اٹھتے ہیں یہ اسی شیطان کے اکسانے کا نتیجہ ہے اس لیے وضو
کرنے کے شروع میں یہ دعا کرنی چاہیے "اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْوَلْهَانِ"
"کہ اے میرے اللہ! میں "وَلْهَانُ" نامی شیطان سے تیری پناہ مانگتا ہوں"
حضرت طاؤس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

الْوَلْهَانُ أَشَدُّ الشَّيْطَانِ
یعنی وَلْهَانُ نامی شیطان سب شیطانوں
سے زیادہ سخت شیطان ہے۔
(فتاویٰ حدیثیہ ص ۷۷)

ابلیس کا جھنڈا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ :

جو شخص صبح کو نماز کیلئے (مسجد) گیا وہ ایمان

مَنْ غَدَا إِلَى صَلَاةِ الصُّبْحِ

کے جھنڈے کے ساتھ گیا اور جو صبح کو

غَدَا بِرَايَةِ الْإِيمَانِ وَمَنْ غَدَا إِلَى

بازار کی طرف گیا وہ ابلیس (شیطان)

السُّوقِ غَدَا بِرَايَةِ إِبْلِيسَ -

کے جھنڈے کے ساتھ گیا۔

(مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

ابام طیب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اللہ کی جماعت اور شیطان کے گروہ کی مثال دی

گئی ہے مطلب یہ ہے کہ جو شخص صبح کو اٹھتا اور مسجد کا راستہ لیتا ہے تاکہ نماز باجماعت

ادا کرنے کی سعادت حاصل کرے گو یا وہ ایمان کا علمبردار ہے وہ ایمان کا جھنڈا اٹھاتا

جا رہا ہے اور اسلام کے شعار (نماز باجماعت) کا اظہار کر رہا ہے اور مخالفین سلام

شیطانوں کے امر کو کمزور کر رہا ہے اور جو صبح کو اٹھتے ہی بازار کا راستہ لیتا ہے اور

اور مسجد کی طرف نہیں آتا اور نماز صبح ادا نہیں کرتا وہ شیطان کے گروہ سے ہے وہ

شیطان کا جھنڈا اٹھائے ہوئے ہے اور اسی کا بول بالا کر رہا ہے اور اپنے دین

کی توہین کر رہا ہے اور اسے کمزور کرنے کے درپے ہے۔

وسوسہ کا علاج

وسوسہ آنا دراصل وجود ایمان کی علامت ہے اور یہ مومن کے لیے امتحان و آزمائش ہے چنانچہ امام ابوعلیٰ اپنی مسند میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وسوسہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے تین بار "اللہ اکبر" کہا پھر فرمایا "إِنَّمَا يُخْتَبَرُ بِهَذَا الْمُؤْمِنُ" کہ اس کے ذریعے مومن کا امتحان لیا جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الوسوسۃُ مُحضَرٌ إِلَىٰ يَمَانٍ" کہ وسوسہ جو دل میں پیدا ہوتا ہے خالص ایمان، یعنی ایمان کی نشانی ہے (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵)

ایک اور حدیث میں ہے کہ خصوصاً نماز میں وسوسہ آنا دین کا حصہ ہے "الوسوسۃُ فِي الصَّلَاةِ مِنَ الدِّينِ صَرِيحُ الْإِيمَانِ" کہ نماز میں وسوسہ آنا دین کا حصہ ہے واضح وَلَا تَكَادُ تَخْطِئُ مَوْمِنًا۔ ایمان ہے اور تقریباً کوئی مسلمان اس سے بچا ہوا نہیں۔ (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵)

یعنی یہ چیز ہر مسلمان کو پیش آتی ہے۔ لیکن مسلمان اس سے خوش نہ ہوگا بلکہ جوہنی شیطان دل میں برے خیالات ڈالتا ہے تو مومن ان خیالات سے نفرت کرنے لگتا ہے اور اپنے دل کی توجہ کسی دوسری اچھی بات کی طرف کر دیتا ہے اور برے خیالات کو دل میں قائم نہیں رہنے دیتا یہی اس کے ایمان کا ثبوت ہے مگر برے لوگوں کے خیالات کو دل میں ٹھہرا لیتے ہیں اور انہیں مزید پسینے کا موقع دیتے ہیں اور انہیں مزید پسینے کا موقع دیتے ہیں حتیٰ کہ ان برے خیالات کا تعلق اگر اعتقاد سے ہو تو اپنا عقیدہ برباد کر بیٹھے ہیں اور اگر ان کا تعلق اعمال سے ہو تو اپنا کردار خراب کر لیتے ہیں اور خدا و رسول کی ناراضگی کا نشانہ بننے کے ساتھ ساتھ معاشرہ کی نظروں میں برے بن جاتے ہیں اس کے برعکس

صالحین اور نیک فطرت لوگ ان بڑے خیالات سے خدا کی پناہ چاہتے ہیں ان کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج بھی ارشاد فرمایا ہے چنانچہ امام حکیم اور باوردی امام طبرانی کے حوالہ کے ساتھ حضرت ابوالمیخ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ جب تمہیں دوسرہ معلوم ہو تو اپنے دائیں ہاتھ کی شہادت کی انگلی کو اوپر اٹھاؤ پھر اپنی دائیں ران میں اس انگلی کو چھوڑو اور کہو "بسم اللہ" پس بلاشبہ یہ عمل شیطان کے لیے پھری ہے نیز امام ابن السنی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "عمل الیوم واللیلہ" میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ :

جو شخص اس دوسرہ میں سے کوئی چیز محسوس کرے تو اسے کہنا چاہیے "میں ایمان لایا اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر، تین بار کہنا چاہئے پس بیشک دوسرہ اس سے دور ہو جائیگا۔

(عمل الیوم واللیلہ ص)

الحمد للہ! حضرت رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسی شفقت فرمائی کہ دوسرہ کا علاج ثانی ارشاد فرمایا راقم خادم العلماء غلام سرور قادری سے کئی ایک سلسلے کے بھائیوں اور بہنوں نے دوسرہ کا علاج دریافت کیا تو راقم نے انکو یہی علاج بتایا چند دنوں کے بعد انہوں نے اطمینان کا اظہار کیا اور دوسرہ کے دور ہو جانے کی خوش خبری سنائی کیوں نہ ہو یہ علاج اس مقدس ہستی کا ارشاد فرمودہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت و دانائی کا معلم بتایا۔

صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَاللَّهُ وَصَحْبَهُ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

خُدائی محافظ اور شیطانی بلائیں !

امام دیلمی حضرت عبد اللہ بن عمرو

رضی اللہ عنہ سے بہ سند خود روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 "کوئی بندہ ایسا نہیں جو اپنے گھر سے نکلتا ہو مگر وہ خدا تعالیٰ کی مخلوق بلاؤں کے
 دو جانبوں کے درمیان (اس کے گھر سے میں) ہوتا ہے سب کے سب اپنے ہاتھ
 کو پھیلائے اور اپنے منہ کو کھولے ہوئے انسان کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتے ہیں
 اور اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ محافظ فرشتے نہ ہوتے تو وہ بلائیں انسان
 کو ہلاک کر ڈالتیں اور محافظ فرشتے (ان بلاؤں سے جو انسان پر لپکنا چاہتی ہیں) کہتے
 ہیں "دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ" یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس میں (اہنیں) اجازت دے
 پس محافظ فرشتے انسان سے ہر اس بلا و مصیبت کو دور کرتے رہتے ہیں جو انسان
 پر لوج محفوظ سے مقرر نہیں کی گئی اور فرشتے اس میں سے کسی چیز کو دور نہیں کرتے
 جو انسان پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیا گیا اور اگر انسان ان شیطانوں کو دیکھ لے جو
 انسان کے ساتھ چھوڑے گئے ہیں تو اسے نرم زمین اور پہاڑ میں ایسے دیکھائی دیں
 جیسے مردار پر مکھیاں جھگھٹا کئے دکھائی دیتی ہیں؛"

تین سو ساٹھ محافظ ! اور امام ابن الدنیا "مکائد الشیطان" میں

اور امام ابن قانع و طبرانی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مسلمان کے ساتھ تین سو ساٹھ فرشتے مقرر کئے گئے ہیں جو انسان سے ہر اس
 بلا کو دور کرتے ہیں جو اس کے لیے مقرر نہیں کی گئی ان میں سے نو فرشتے آنکھوں کی حفاظت
 پر مقرر ہیں جو اس سے بلاؤں کو ایسے دور کرتے ہیں جیسے گرمی کے دن میں شہد

کے پیانگے مکھیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ اور اگر وہ تم پر ظاہر ہو جائیں تو تم ان تمام شیطانی بلاؤں کو ہر بہاڑ اور نرم زمین پر ہاتھ پھیلاٹے اور منہ کھولے دیکھو گے، اور اگر انسان کو آنکھ بھینکنے کے وقت تک کے لیے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے تو اسے شیاطین اچک کر لے جائیں، (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۷)

انسان کو اس بات سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی اندازہ لگانا چاہیے کہ شیطان اور اس کے چیلے شیاطین انسان کے کس قدر دشمن ہیں۔ کہیں اس کے دل میں برے خیالات اور دوسوے ڈالکر اس کے باطن کو تباہ و برباد کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور کہیں ہاتھ پھیلاٹے اور منہ کھولے اسے جسمانی نقصان پہنچانے اور اچک لینے کی تمکد میں ہیں۔ اور اللہ رب العالمین کے لطف و کرم فرمائی اور بندہ نوازی کا یہ عالم کہ اسکی حفاظت کے لیے عالم بالا کے ملائکہ کرام کو مقرر فرمادیا اس کے باوجود اگر انسان، انسانیت دشمن شیطان کے کہنے پر چل نکلے اور اپنے لیے رب کریم و مہربان کی ہدایات و احکام کو پس پشت ڈال دے تو اس سے بڑھ کر کفرانِ احسان اور کمالِ ناشکری اور کیا بھدگی؟

شیطان کی بالوسی

اہم طبرانی اپنی سند کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات میرے دل میں ایسا برا خیال آتا ہے کہ میں اسے زبان پر لانے کی بجائے جل کر کوئلہ ہو جانے کو ترجیح دوں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلْحَمْدُ لِلَّهِ إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدِ ابْتَدَأَ
 أَنْ يُعِيدَ بَارِضِي هَذِهِ وَلَئِنْ
 رَضِيَ بِالْمُحَقَّرَاتِ مِنْ أَعْمَالِكُمْ
 (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵)

خدا تعالیٰ کا شکر ہے شیطان اس بات سے مایوس و ناامید ہو گیا ہے کہ میری اس سرزمین حجاز پر اسکی عبادت کی جائے لیکن وہ تمہارے حقیر کاموں پر راضی ہوا (تم سے خلاف شرع کام کرائیگا مگر تمہیں شرک میں مبتلا نہیں کر سکیگا)

مطلب یہ کہ شیطان اس بات سے مایوس ہے کہ میری اس سرزمین حجاز پر جسے اب سعودی عرب کہا جاتا ہے اسکی عبادت کی جائے یعنی شرک کیا جائے۔ جس کا واضح مقصد یہ ہے کہ اب اس سرزمین اقدس پر شرک نہ ہوگا۔

فرقہ وہابیہ کی تردید

اس حدیث سے فرقہ وہابیہ کی واضح تردید بھی ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ کے بعد آپ کی امت کے اکثر لوگ شرک میں مبتلا ہو گئے اور سرزمین حجاز پر پھر شرک ہونے لگا تو بارہویں صدی میں ابن عبدالوہاب نجدی نے آکر سرزمین حجاز و عرب سے شرک کا خاتمہ کیا وہابیوں کا یہ خیال غلط اور حدیث مذکورہ کے قطعاً خلاف ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اس سرزمین پر دوبارہ شرک نہ ہوگا۔ بلکہ ایک اور حدیث میں تو اس

سرزمین کی قید بھی نہیں ہے اس میں ہے کہ نمازی مسلمان شرک نہیں کریں گے چنانچہ امام
المحدثین والفقہاء امام احمد بن حنبل اپنی مسند شریف میں، امام مسلم اپنی صحیح مسلم اور امام
ترمذی اپنی جامع ترمذی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :

إِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَلْسُ أَنْ يَعْبُدَهُ
الْمُصَلُّونَ وَلَكِنَّ الرَّجُلَ إِذَا شَبَّهَهُمْ
مُسْنَدُ إِمَامِ أَحْمَدِ صَحِيحُ مُسْلِمِ صَحِيحُ تَرْمِذِيِّ ص

بے شک شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا کہ نمازی
لوگ اسکی پوجا کریں لیکن ان کے درمیان شبہ
کرانے اور اکسا نے میں مایوس نہیں ہوا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے نمازی ہرگز شرک
نہ کریں گے لیکن وہابیوں پر افسوس ہے جو حضور کی اس حدیث کے برعکس اہلسنت پر جو بزرگان
دین کے مزارات مقدسہ کی حاضری دیتے اور ان سے توسل کے قائل ہیں، شرک کا فتویٰ
لگا کر اس حدیث کی غلاف و رزی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ لہذا سنیوں پر شرک کا
فتویٰ لگانا وہابیوں کا نہایت ہی شرمناک فعل ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو صحیح العقیدہ
سنی مسلمانوں کو مشرک کہتے ہیں وہ خود شرک و کفر میں مبتلا ہیں۔

امام شعبی سے روایت کیا (کنز العمال ج ۱ ص ۲۵۵ تا ۲۵۶)

قدرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس حدیث کی شرح میں شاہ عبدالحق

محدث دہلوی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں کہ :

جب سیمان علیہ السلام نے یہ دعا کر دی اور اس ملک بادشاہت کو اپنے ہاتھ مخصوص ہونے کی خواہش فرمائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نہ چاہا کہ اس میں تصرف کا اظہار کریں اور سیمان علیہ السلام کے ملک بادشاہت کے کارخانہ میں رخنہ ڈالیں ورنہ دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت اور آپ کی حکمرانی سیمان علیہ السلام سے بڑھ کر تھی اور جن دنس کے ملک ملکوت اور تمام جہان اللہ تعالیٰ کی تقدیر و تصرف و اذن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ قدرت و حکمرانی میں تھے۔

چوں سیمان علیہ السلام این دعا کر دو این ملک را مخصوص بخود خواست کرد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نخواست کہ اظہار تصرف کند در ملک و شکستگی در کارخانہ ملک سیمان افکند و الا بالقوة تصرف قدرت و سلطنت و صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بر آں بود و ملک ملکوت جن دنس و تمامہ عوالم بتقدیر و تصرف الہی عز و علا در محیط قدرت و تصرف وے بود۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۲۲)

یہاں سے یہ معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و حکمرانی سارے جہان میں جاری و ساری ہے اور خدا تعالیٰ کے اذن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائرہ قدرت و اختیار سارے جہانوں کو محیط ہے اور کائنات کا کوئی ذرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت و اختیار سے باہر نہیں۔

سہ عرش تا فرش ہے جس کے زبیر نگین

اسکی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام (از آنحضرت علیہ الرحمۃ)

سوال و جواب

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے تصرف و قدرت میں جن تھے شیطان ابلیس نہ تھا اسے تو نفعِ ادا کی تک مہلت دی گئی ہے اور وہ آزاد ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے فرمایا کہ اگر میرے بھائی سلیمان کی دعا کا بکھے خیال نہ ہوتا تو میں اسے پکڑ کر مسجد کے ستونوں میں کسی ایک ستون کے ساتھ باندھ دیتا اور مدینہ کے بچے اس کے ساتھ کھیلنے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شیطان کو باندھنے میں اسکی قیامت تک آزادی مانع نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس سے مراد اسکی مزید تزیین تھی۔ اسے قتل کرانا یا مار ڈالنا مقصود نہ تھا اور یہ بتانا مقصود تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی جنات پر ایسے ہی سلطنت و حکومت بخشی ہے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کو بلکہ درحقیقت حضرت سلیمان اور دیگر انبیاء کے کمالات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا عکس و پر تو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام کمالات کے اصل منبع اور سرچشمہ ہیں چنانچہ امام ابو صیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

وَكُلُّ أُمَّيَّاتِي آتَى الرَّسُولَ الْكَرِيمُ بِهَا : فَإِنَّمَا أَتَّصَلَتْ مِنْ نُورِهِ بِهِيَ (تصديقه)
اور ہر وہ معجزہ جو بزرگ رسول لائے . وہ انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی نور سے پہنچا

ایک سوال و جواب

پھر سوال ہوتا ہے کہ قرآن میں سحر کہ شیطان اور اسکی اولاد تمہیں دیکھتی اور تم انہیں دیکھ سکتے، تو شیطان حضور کو کیسے نظر آگیا؟ اس کا جواب یہ ہے یہ عام مخصوص عنۃ البغض ہے اس عموم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مستثنیٰ ہے کیونکہ قرآن و سنت کے مجموعہ دلائل سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات ظاہر یہ و باطنیہ کے اعتبار سے عام بنی آدم اور عام انسانوں سے مختلف ہیں اور نیز اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہم جنوں اور شیطانوں کو اس لیے نہیں دیکھ سکتے کہ ہم

پر اور خصوصاً ہماری آنکھوں پر سہارا مادہ کثیف یا عنصر کثیف یعنی مٹی کا غلبہ ہے۔
 لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کا یہ مادہ غالب نہیں بلکہ مغلوب ہے جس پر آپ کے
 انوار کا غلبہ ہے یہی وجہ ہے کہ حضور کا سایہ نہ تھا اگر آپ پر بھی یہ مادہ غالب ہوتا
 تو آپ نہ دیکھ سکتے لیکن ایسا نہیں ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ میں وہ دیکھتا ہوں
 جو تم نہیں دیکھتے اور وہ سنا ہوں جو تم نہیں سن سکتے (ابوداؤد شریف)

شیطان اور شیطانی کارنامہ والا تعظیم کا حقدار نہیں

شیطان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو برتاؤ فرمایا یا فرماتا ہے اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ شیطان یا شیطانی کارنامہ والے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کرنے والے شخص تعظیم و تکریم کے مستحق نہیں رہتے خواہ کتنا ہی علم و زہد والے ہوں بلکہ وہ دوسروں کی نسبت زیادہ عذاب کے مستحق ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ دوزخ کے فرشتے انہیں بت پرستوں سے بھی پہلے پکڑیں گے تو وہ کہیں گے کہ ہمیں بت پرستوں سے بھی پہلے پکڑتے ہو، جو اب ملے گا "لَيْسَ مَنْ يَعْلَمُ كَمَنْ لَا يَعْلَمُ" کہ جانتے والے اور انجان برابر نہیں، مطلب یہ کہ عالم کی عزت تو اس بنا پر تھی کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وارث ہے اور نبی کا وارث وہی ہے جو ہدایت پر ہو اور ہدایت قرآن و سنت و اجماع اور ائمہ دین کے قیاس و اجتہاد کی تعمیل کا نام ہے اور جو ان میں سے کسی ایک منکر ہے وہ ہدایت پر نہیں، گمراہی ہے اور جب گمراہی پر ہے تو نبی کا وارث ہو یا شیطان کا ہے بلاشبہ شیطان کا وارث ہوا تو اس کی تعظیم و تکریم اس وقت نبی کی تعظیم ہوتی جب وہ نبی کا وارث ہوتا لیکن وہ تو شیطان کا وارث بھڑا۔ اب اس کی تعظیم شیطان کی تعظیم ہوگی اور یہ بھی اس صورت میں ہے جب عالم، کفر سے نیچے کی گمراہی میں ہو جیسے بد مذہبوں کے علماء۔ پھر اس کا کیا پوچھنا جو سخت کفر میں ہو کہ انبیاء اور رسولوں کی شان میں بے ادبی کرنا سخت کفر ہے، اس کے مرتکب کو عالم دین جاننا ہی کفر ہے، پھر اسے عالم دین جان کر اس کی تعظیم کرنا اور زیادہ کفر، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے "كُفْرًا دُونَ كُفْرٍ" کہ کفر کے بھی اوپر تلے درجے ہیں۔ اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ علم اس وقت نفع دیتا ہے جب دین کے ساتھ ہو ورنہ ہندو پنڈت یا پادری کیا اپنے حلقے کے عالم نہیں اور ابلبیس کتنا بڑا

عالم تھا، پھر کیا مسلمان کے لیے اس کی تعظیم جائز ہے؟ اسے تو معلم الملکوت کہتے ہیں یعنی فرشتوں کو علم سکھاتا، جب سے اس نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم سے منہ موڑا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور مبارک کو جو حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں رکھا گیا اسے سجدہ نہ کیا، جیسا کہ امام فخر الدین نے تفسیر کبیر میں لکھا، اس وقت سے ہمیشہ کی لعنت کا طوق اس کے گلے میں پڑا۔ اب اس کے شاگردان رشید، اس کے ساتھ کیا بڑاؤ کرتے ہیں کہ ہمیشہ اس پر لعنت بھیجتے ہیں اور ہر رمضان میں مہینہ بھر اس کو زنجیروں میں جکڑے رکھتے ہیں پھر قیامت کے دن اسے کھینچ کر جہنم میں دھکیل دیں گے، نہ اس کی عبادت کا لحاظ نہ توحید پرستی کا اعتبار نہ اس کے علم کی پروا اور نہ ہی اس کے استاذ ہونیکا خیال، غرض، ایک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی نے اسے کہاں سے گرا کر کہاں رسید کیا۔ یہ ایک بے ادبی کے کارنامہ کے انجام دینے کی سزا ہے جو اسے مل کر رہی۔

شیطان کے قدم (دوسرا کارنامہ) شیطان کا دوسرا کارنامہ یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کو اسلام پر مکمل طور پر عمل کرنے سے منع کرتا ہے جبکہ اسکی اولین کوشش ہوتی ہے کہ کوئی شخص سرے سے اسلام میں داخل ہی نہ ہو، اور اگر خوش قسمتی سے کوئی اسلام میں داخل ہوا بھی تو اسکی دوسری کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ نام کا ہی مسلمان رہے۔ اسلام کے احکام پر عمل نہ کرنے پائے اور اگر زیادہ خوش قسمتی سے کسی کے دل میں عمل کا جذبہ پیدا بھی ہوا تو شیطان کوشش کرتا ہے کہ وہ اسلام کے احکام پر کم از کم عمل کرے اور اسلام کے احکام کے ساتھ غیر اسلامی عمل بھی کرتا ہے تاکہ پورا مسلمان بننے کی بجائے ادھورا مسلمان بنے، جیسے آج کے بعض مسلمان ایک طرف تو کلمہ پڑھیں گے، کبھی کبھار نماز بھی پڑھ لیں گے مگر اپنے معاشرتی ماحول اور رہن سہن یا وضع قطع مغربی دنیا کی اختیار کریں گے، انگریزی انداز زندگی اپنائیں گے، گھروں میں نہ پر وہ اور نہ حجاب بلکہ اسلامی احکام و روایات سے کوسوں دور زندگی گذاریں گے، کچھ باتیں اسلام کی عمل میں لائیں گے اور کچھ باتیں غیر اسلامی اور لادینی قسم کی، محض مغرب کے معاشرہ کی نقلی میں اپنائیں گے۔ یہ بھی شیطان ہی کا جال ہے جو اس نے ان لوگوں پر ڈال رکھا ہے اور انہیں اپنے نقش قدم پر چلا رہا ہے اور قرآن کریم نے بڑی سختی کے ساتھ اس سے منع فرمایا ہے کہ :

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ
كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ

(البقرہ : ۲۰۸)

ابتداء اسلام میں بعض حضرات نے جو یہ ہو دیت کو چھوڑ کر اسلام میں داخل ہوئے

تھے یہ سوچ کر کہ اسلام میں اونٹ کا گوشت کھانا ضروری نہیں جبکہ یہودی مذہب میں اس سے پرہیز ضروری ہے، اونٹ کے گوشت سے پرہیز کرتے تھے تاکہ مسلمان بھی رہیں۔ اور یہودی مذہب کی رعایت بھی ہو یا اس کی کسی ایک بات پر عمل ہوتا رہے، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اسلام کے احکام کا پورا اتباع کرو۔

اسلام ہی سب کچھ ہے! اس آیت میں ہمارے ان مسلمان بھائیوں کے لیے

درس عبرت بھی ہے جو ہر وجہ سے اہم و مکمل طور پر اسلام کے احکام و نظریات کو تسلیم کر کے ان پر عمل کرنی چاہئے۔ کہتے ہیں اسلام ہمارا دین ہے، جمہوریت ہماری سیاست ہے، سوشلزم ہماری معیشت ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں حالانکہ یہ قطعاً غلط اور بالکل غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اسلام ہی ہمارا سب کچھ ہے، یہ لغزہ لگانے والے دراصل ضعیف الاعتقاد یا دشمنان اسلام کے آلہ کار ہیں یہ لغزہ متضاد چیزوں پر مشتمل ہے۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ یہ لفظ مسلمانوں کی نمائندگی کے لیے وضع کیا گیا ہے اور جمہوریت ہماری سیاست ہے یہ لغزہ اقوام مغرب، یورپ اور امریکہ وغیرہ کو خوش کرنے کے لیے لگایا گیا ہے اور سوشلزم ہماری معیشت ہے یہ لغزہ کمیونسٹوں کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے اور طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں یہ لغزہ ملک کے سادہ لوح عوام کو فریب دینے کے لیے گھڑا گیا ہے۔ اس لیے یہ سراسر فریب، دھوکا اور عیاری و مکاری پر مبنی لغزے ہیں۔ جبکہ حق اولہ پر سچ بات یا صحیح نظریہ، یہ ہے کہ اسلام ہی ہمارا سب کچھ ہے۔ اسلام ہی دین ہے اور اسلام ہی ہماری سیاست ہے اور اسلامی معیشت ہی ہماری معیشت ہے اولہ طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے قرآن کریم میں ہے "أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا" کہ بلاشبہ ساری قوتیں اللہ ہی کی ہیں (بقرہ: ۱۷۵)

شیطان تنگدستی کا اندیشہ دلاتا ہے (تیسرا کارنامہ) شیطان کا تیسرا کارنامہ

یہ ہے کہ یہ خدا کی راہ میں مال خرچ کرنے والوں کو تنگدستی اور مال کی کمی کا اندیشہ دلاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے کہ:

الشَّيْطَانُ يُعِدُّكُمْ لِلْفَقْرِ وَيَأْمُرُكُمْ
بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يُعِدُّكُمْ مَغْفِرَةً
مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ
(البقرہ : ۲۶۸)

شیطان تمہیں تنگدستی و محتاجی کا اندیشہ دلاتا ہے اور تمہیں بے حیالی کا حکم دیتا ہے اور اللہ اپنے طرف سے تمہارے ساتھ بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

یعنی شیطان کا کام یہ بھی ہے کہ جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان محتاجی اور تنگدستی کا خوف دلاتا اور دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ اگر خرچ کر دوں گے تو تنگدست اور محتاج ہو جاؤں گے اس طرح وہ بخل کی عادت اپنانے اور خدا کی راہ میں مال خرچ نہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے وعدہ فرماتا ہے کہ وہ اگر اسکی راہ میں مال خرچ کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے انکی خطائیں معاف کریگا اور فضل فرمائے گا۔ لہذا دولت مندوں اور مال والوں کو تنگدستی اور محتاجی یا مال میں کمی کے واقع ہونے کے اندیشہ سے بالاتر ہو کر اس یقین کے ساتھ خدا کی راہ میں مال خرچ کیے جانا چاہیئے کہ اس سخاوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں مال میں اور کاروبار میں برکت دے گا اور انکی خطائیں بھی معاف کرے گا۔

شیطان، شراب اور جوئے اور عداوت کی ترغیب دیتا ہے۔

چوتھا کارنامہ

شیطان کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ وہ انسان کو شراب اور جوئے کی رغبت دلاتا ہے اور اس کے ذریعے دلوں میں بغض و عداوت ڈال باہمی جھگڑے کراتا ہے۔ چنانچہ

قرآن کریم کی سورہ مائدہ آیت ۹۰ میں ہے کہ :

شیطان یہی چاہتا ہے کہ تم میں سے اور دشمنی
ڈلوادے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ
کی یاد اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔

إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ
الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ
وَالْمَيْسِرِ وَيُصِدِّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ
وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ
مُنْتَهُونَ ۝ (المائدہ : ۹۰)

یعنی شیطان شراب پلاتا ہے اور جوئے کے کام میں لگانا ہے پھر ان بری عادتوں
کے ذریعے آپس میں بغض و عداوت پیدا کر کے انسانوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیتا ہے
اور ان برے کاموں میں لگا کر خدا کی یاد اور نماز سے غافل کر دیتا ہے لہذا انسان ان
لعنتوں میں پڑ کر ذکرِ الہی اور نماز کے اوقات کی پابندی سے محروم ہو جاتا ہے۔ اس آیت
میں عذر کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ شرابی اور جوئے باز انسان معاشرتی حقوق اور خدائی
فرائض میں کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے۔ گو یا شراب اور جو اسی بری عادتیں اور ایسی
بری عادتیں اور ایسی لعنتیں ہیں کہ ان میں پڑنے والا انسان نہ تو معاشرتی انسانی حقوق ادا کرنا
اور نہ ہی اپنے خالق و مالک خدا سے ذوالجلال کے فرائض و حقوق سے عہدہ برآ ہوتا ہے
لہذا ایک مسلمان کو ان بری باتوں کے قریب بھی نہیں بھٹکنا چاہیے۔

جملہ شیطانیات جملہ شیطانیات یا شیطانی کارناموں کا جملہ و مجموعہ کارہائے

شیطانی جو قرآن میں مختلف مقامات پر مذکور ہیں یہ ہیں۔

۵۔ برائی کو نظروں میں بھلی کر کے دکھانا حتیٰ کہ برائی کا مرتکب نہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھا
کر رہا ہے۔

” اور شیطان نے ان کیلئے ان کے برے عملوں کو بھلے کر کے دکھایا (انعام ۴۳) ،

انفال ۴۸ ، نحل ۶۲ ، نمل ۲۲)

۶۔ شیطان، انسان سے برائی کا ارتکاب کر کے خدا اور رسول اور لوگوں کی نظروں میں رسوا و ذلیل کر دیتا ہے۔ (الفرقان : ۲۹)

۷۔ شیطان انسان سے فضول خرچی کراتا ہے۔ فضول خرچی کا معنی خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف مال خرچ کرنا ہے۔ نیک کام میں جس قدر ہو سکے خرچ کریں، حتیٰ کہ سارے کا سارا مال و متاع بھی خدا کی راہ میں خرچ کر دیا جائے تو اسے فضول خرچی نہیں، انتہائی درجہ کی سخاوت کہا جائے گا جیسے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا سب کچھ خدا تعالیٰ کی راہ میں دیدیا۔

۸۔ شیطان انسان کو کفر کی طرف لے جانے کی کوشش کرتا ہے اور ناشکری اور کفرانِ نعمت کا ارتکاب کراتا ہے۔ (الحشر ۱۶)

شیطان اور بہتر فرقی : امام ابوالشکوہ محمد بن عبدالسعد بن شعیب الکبیری السالمی

تمہید میں لکھتے ہیں۔

ان ابلیس غاص فی البحر اربعین
 یوماً وغاص فی البحر السابغ و
 دخل فی الهاویة ونظر فی
 الدرکات فرأی دَرَکَةً کُلِّ قَوْمٍ
 فاعطاه مالکٌ علیہ السلام بِامرِ
 اللہِ عَلَمًا وَعَلَامَةً وَاَعْطَاهُ اثْنِ
 وَسَبْعِینَ رَقْعَةً وَعَلَى کُلِّ رَقْعَةٍ
 مَكْتُوبًا اسْمُ کُلِّ بَدْعَةٍ فَجَاءَ
 وَبَثَّ فِيهِمْ ثُمَّ هَذِهِ ثَمَانِ وَ
 سَبْعُونَ تَنْشِيبٌ مِنْ سِتَّةِ الرَّافِضِيَّةِ
 وَالتَّاصِبِيَّةِ وَالْقَدْرِيَّةِ وَالْجَبْرِيَّةِ
 وَالشَّبِيهَةِ وَالْمَعْطَلَةِ فَكُلُّ صِنْفٍ
 تَنْشِيبٌ عَلَى اثْنِ عَشَرَ
 فِرْقَةً فَيَكُونُ اثْنِینَ وَسَبْعِینَ
 (التمہید شریف ص ۱۹۵)

ابلیس (شیطان) نے دریا میں چالیس روز
 غوطہ لگایا اور ساتویں دریا میں غوطہ لگایا اور
 صاویہ (دو زخ) میں داخل ہوا اور دو زخ کے
 درکات (درجوں) میں دیکھا تو اس نے گمراہ
 قوم و فرقی کو دیکھا بس دو زخ کے مالک
 (انگراں فرشتے) نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے
 شیطان کو ایک جھنڈا اور نشانی دی اور
 اسے بہتر رقعے (لکھے ہوئے کاغذ)
 دیئے اور ہر رقعے پر گمراہی کا نام لکھا تھا
 تو شیطان آیا اور ان کو گمراہ فرقوں میں
 پھیلا دیا پھر یہ بہتر فرقی چھ گمراہ فرقوں
 سے نکلتے ہیں (وہ چھ یہ ہیں) رافضیہ،
 ناصبیہ، قدریہ، جبریہ، مشبہ اور معطلہ
 پھر ان چھ میں سے ہر ایک بارہ پر تقسیم ہوتا ہے
 (ہر ایک سے بارہ فرقی بنتے ہیں) پس یہ
 بہتر فرقی ہوئے۔

امام ابوالشکوہ السالمی علیہ الرحمۃ کی تحقیق کے مطابق ان بہتر گمراہ فرقوں کے اصول
 (بنیادی فرقے) چھ ہیں پھر ان میں سے ہر فرقے سے آگے بارہ بارہ فرقے بنتے

چلے گئے یوں انکی تعداد بارہ سے بہتر ہو گئی۔ لیکن سیدنا عوثؓ اعظم حضرت شیخ
 عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے نزدیک تہتر ۳۲، فرقوں کے اصول دس فرقے ہیں
 ایک اہل السنۃ و اجماعت، خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجئہ، مشبہہ، جہمیہ، ضاریہ۔ نجاریہ
 اور کلابیہ۔ پھر تفصیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہل سنت ایک فرقہ رہا ہے اور ہے
 لیکن دوسرے فرقے آپس میں منقسم ہو گئے، معتزلہ چھ، مرجئہ بارہ، شیعہ تیس فرقے
 ہو گئے، جہمیہ، نجاریہ، ضار اور کلابیہ، ہر ایک ایک فرقہ رہے اور مشبہہ کے
 تین فرقے ہوئے یہ کل تہتر فرقے ہوئے پھر فرماتے ہیں کہ :

اما الفرقة الناجية فهي اهل
 السنة والجماعة
 بہر حال فرقہ ناجیہ تو وہ اہل سنت و جماعت
 ہی ہے (باقی گمراہ ہیں اور دورخی ہیں)

(غنیۃ الطالبین ص ۸۵)

اور شرح مواقف میں ہے کہ "بڑے اسلامی فرقے جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے
 ہیں، آٹھ ہیں، معتزلہ، شیعہ، خوارج، مرجئہ، نجاریہ، جہمیہ، مشبہہ، اور ناجیہ۔
 (اسکی مزید تفصیل ہماری کتاب "پرفیسر طاہر القادری کا علمی جائزہ" حصہ اول دوم میں ملاحظہ
 فرمائیں)

حرفِ آخر "اعوذ بالله من الشیطان الرجیم" ایک ایسا جادو کا نام ہے کہ

اسکی جس قدر تفسیر کی جائے کبھی ختم نہ ہوگی۔ راقم نے یہ سوش کر اسی پر اکتفاء ضروری سمجھا کہ آگے سورہ فاتحہ کی تفسیر بھی لکھنا ہے پھر سورہ بقرہ کی، اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام سورتوں کی تفسیر لکھ کر قرآن کی نہایت ہی مدلل تفسیر کا کام مکمل کرنا ہے اور یہ بہت بڑا اور از حد ضروری کام ہے جس کی اس دور میں بہت ہی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ راقم کو مکمل قرآن کریم کی تفسیر لکھنے کی ہمت عطا فرمائے

آمین۔

وہوکلہ اللہ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

منشی غلام سرور قادری
گلبرگ لاہور



